اشارہ

پہلی قسط

‘‘روکو...... روکو...... فرہاد کار روکو......’’ بیرسٹر کمال نے اچانک کہا اور نگین چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔ ڈرائیور نے کار کی رفتار سست کر کے کار روکی تو احمد کمال بولے۔ ‘‘اب کار ریورس کرو، ذرا دور تک بیک کرنا۔ وہ جو ایک خاتون کھڑی ہیں۔’’

ڈرائیور نے ریورس گیئر لگایا اور کار پیچھے چل پڑی۔

‘‘کون ہے ماموں جی؟’’ نگین نے عقبی شیشے سے پیچھے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

‘‘وہ...... زاہدہ بیگم۔’’ بیرسٹر صاحب نے کار کا شیشہ کھول کر پیچھے دیکھتے ہوئے کہا۔

کار سست رفتاری سے چلتی ان خاتون کے پاس جا رکی جو فٹ پاتھ کے ساتھ کھڑی ہوئی تھیں۔ کار ان کے پاس رکی تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا، اسی وقت احمد کمال دروازہ کھول کر نیچے اترے اور زور سے بولے۔ ‘‘السلام علیکم زاہدہ بھابی!’’

‘‘ارے...... آپ کمال بھائی۔’’

‘‘آیئے، آیئے، آیئے پلیز۔’’ کمال نے گاڑی کی طرف اشارہ کیا۔

‘‘نہیں۔ آپ کہاں تکلیف کریں گے، رکشہ مل جائے گا۔’’ خاتون نے کہا۔

‘‘بھائی سے تکلف کر رہی ہیں۔ آیئے۔’’ بیرسٹر صاحب نے کہا اور خاتون کار کے کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گئیں۔ بیرسٹر کمال ڈرائیور کے ساتھ جا بیٹھے۔

نگین نے انہیں سلام کیا۔ خاتون نے اسے جواب دیا۔ بیرسٹر صاحب نے ڈرائیور سے چلنے کے لئے کہا اور کار آگے بڑھ جانے کے بعد بولے۔ ‘‘کہاں آئی تھیں بھابی جان!’’

‘‘میں ڈاکٹر انعام احمد کے پاس آئی تھی۔ دو تین دن سے بخار چل رہا ہے۔ اترنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ میں نے سوچا دوا لئے بغیر کام نہیں چلے گا۔’’

‘‘آپ مجھے فون کر دیتیں۔’’ احمد کمال بولے اور خاتون ہنس کر خاموش ہو گئیں۔ پھر چونک کر بولیں۔ ‘‘یہ کون ہیں؟’’ اشارہ نگین کی طرف تھا۔

‘‘میری بھانجی نگین ہے۔ ایک کام سے میرے ساتھ نکلی تھی۔’’

‘‘اچھا۔ سلامت رہیں۔’’

کار راستے طے کرتی رہی، بیرسٹر صاحب نے ڈرائیور کو دو بار راستہ بتایا۔ انہیں زاہدہ بیگم کا گھر معلوم تھا۔ آخر کار گاڑی ایک متوسط علاقے میں رک گئی اور بیرسٹر صاحب دروازہ کھول کر نیچے اتر آئے، دوسری طرف سے ڈرائیور فرہاد پھرتی سے نیچے اترا اور اس نے زاہدہ بیگم کی طرف کا دروازہ کھول دیا۔

‘‘ایک پیالی چائے پینا پسند کریں کمال بھائی تو مجھے خوشی ہوگی۔’’ زاہدہ بیگم نے کہا۔

‘‘اس وقت زحمت نہ کریں۔ وعدہ، نگین کے ساتھ ہی حاضری دوں گا۔’’

رسمی سلام دعا کے بعد زاہدہ بیگم سامنے نظر آنے والی گلی کی طرف بڑھ گئیں اور احمد کمال دوبارہ نگین کے پاس پچھلی سیٹ پر آ بیٹھے۔ ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی۔

‘‘کون تھیں یہ ماموں جی؟’’ نگین نے پوچھا۔ تو بیرسٹر صاحب ایک گہری سانس لے کر پھیکے سے انداز میں مسکرائے۔ ‘‘جج تیمور شمسی کی بیوہ، زاہدہ شمسی۔ نیرنگی زمانہ کا ایک اور نقش۔’’

‘‘بڑی پروقار سی خاتون تھیں۔ مجھے تو بہت اچھی لگیں لیکن......’’

‘‘لیکن کیا؟’’ بیرسٹر صاحب نے پوچھا۔

‘‘میرا مطلب ہے جج صاحب کی بیگم ہونے کے باوجود یہ اتنے معمولی سے علاقے میں رہتی ہیں۔ ان کے پاس گاڑی بھی نہیں۔’’ نگین نے کہا۔

‘‘ہاں۔ اہل ایمان اسی طرح جیتے ہیں۔ شمسی صاحب صرف جج ہی نہیں تھے اچھے خاصے زمیندار بھی تھے۔ خاندانی زمیندار۔ ان کے والد علی یار شمسی ایک بڑے زمیندار تھے۔ دو بیٹے تھے ان کے، ہمایوں شمسی اور تیمور شمسی، والد علی یار کے انتقال کے بعد جائداد کا تنازع کھڑا ہوا اور تیمور نے ناراض ہو کر حویلی چھوڑ دی اور ساری دولت اور جائداد سے دستبرداری لکھ دی، نہ صرف یہ کیا بلکہ مکمل طور پر سب سے علیحدگی اختیار کر لی۔ مختلف مراحل سے گزر کر وہ جج کے عہدے تک پہنچ گئے لیکن نہایت صابر اور قناعت پسند تھے۔ انہوں نے اس معمولی سے علاقے میں ایک گھر کے علاوہ اور کچھ نہیں بنایا۔ زاہدہ بیگم خود بھی ایک اچھے گھرانے کی چشم و چراغ تھیں لیکن شوہر سے زیادہ قناعت

پسند۔ انہوں نے بڑی خوش اسلوبی سے شوہر سے تعاون کیا اور بڑے اعتماد سے زندگی گزاری۔‘‘

‘‘ان کی اولادیں؟’’ نگین نے پوچھا۔

‘‘قدرت اپنے نیک بندوں کا ہی امتحان لیتی ہے۔ ایک بیٹا تھا ان کا شمیل شمسی، ان کی آرزوؤں کا مرکز، تعلیم حاصل کر رہا تھا کہ اچانک جج صاحب کا انتقال ہو گیا۔ ماں بیٹے اچانک یہ سائبان ٹوٹ جانے سے بھونچکے رہ گئے تھے۔ بمشکل انہوں نے خود کو سنبھالا اور شمیل کو تعلیم چھوڑنی پڑی۔ وہ بڑا پرعزم تھا اور اس نے ماں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ بہت کر کے دکھائے گا لیکن ابھی اس کی تعلیم پوری نہیں ہوئی تھی، چکرا کر رہ گیا۔ چھوٹی سی عمر تھی۔ الٹے سیدھے فیصلے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ کسی کے بہکائے میں آ کر ملک سے باہر جانے کی ٹھانی۔ ماں نے روکا مگر نہ مانا اور سمندری جہاز سے چل پڑا، کہاں، یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ پھر کوئی چھ ماہ کے بعد پولیس نے زاہدہ بیگم کو بتایا کہ ان کا بیٹا منشیات کے اسمگلروں کے جال میں پھنس گیا تھا۔ مشرق وسطیٰ کے کسی ملک میں اسمگلروں اور نارکوٹکس کے درمیان خونریز مقابلے میں مارا گیا۔ اس کی لاش سمندر برد ہو گئی۔ یوں شوہر بھی گیا اور بیٹا بھی...... اور اب زاہدہ بیگم تنہا جی رہی ہیں۔‘‘

‘‘او مائی گاڈ......!’’ نگین کے بدن میں کپکپی دوڑ گئی۔ ‘‘کیسے کیسے دکھی لوگ ہیں اس دنیا میں ماموں جی...... اب ان کا زندگی گزارنے کا ذریعہ کیا ہے؟’’

‘‘بس، تھوڑا بہت چھوڑا ہو گا شوہر نے اپنی زندگی میں۔ یہ گھر خرید لیا تھا، گزر رہی ہے بے چاری کی زندگی۔‘‘

‘‘دوسرے بھائی کا کیا ہوا؟’’

‘‘ہمایوں شمسی کا بھی انتقال ہو گیا اور ساری جائداد اور دولت پر ان کا بیٹا قابض ہو گیا۔‘‘

‘‘لیکن ماموں جی...... دولت اور جائداد پر تو زاہدہ بیگم کا بھی حق ہے۔ دستبرداری اپنی جگہ قانونی طور پر تو اس جائداد پر زاہدہ بیگم کا حق بنتا ہے کیونکہ وہ پشتی جائداد ہے۔ دستبرداری تیمور صاحب نے لکھی تھی ان کی بیگم یا بیٹے نے نہیں۔‘‘

‘‘یہ عجیب اور افسوسناک پہلو ہے۔ دوسرے بھائی ہمایوں شمسی کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ انہوں نے ایک لڑکا گود لیا جو انہی کی اولاد کے نام سے پروان چڑھا لیکن ہمایوں نے کسی وصیت نامے میں یہ ساری جائداد اس کے نام نہیں لکھی۔ چنانچہ دونوں بھائیوں کی موت کے بعد ساری دولت اور جائداد شمیل شمسی کی تھی مگر تیمور صاحب انتہا پسند تھے۔ میری ان سے بڑی بحث ہوئی لیکن انہوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ یار احمد کمال چھوڑ دیا تو چھوڑ دیا، اب اس سے کیا واسطہ۔ میں نے لاکھ سمجھایا کہ یہ ان کے بیٹے کی ضرورت ہے لیکن ضدی تھے کہنے لگے کہ اپنی قوت بازو سے کمائے گا تو اس کی شان ہی اور ہو گی۔‘‘

‘‘اف۔’’ نگین ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں زاہدہ شمسی کی شکل گھوم رہی تھی۔ سرو قد، خوبصورت نقوش سفید رنگ۔ چہرے ہی سے کسی بڑے گھر کی خاتون لگتی تھیں۔ اچانک اسے کچھ خیال آیا اور وہ بولی۔ ‘‘لیکن انکل وہ لے پالک کہاں ہے۔ میرا مطلب ہے وہ لڑکا جسے ہمایوں صاحب نے ایڈاپٹ کیا تھا وہ تو بڑے عیش کر رہا ہو گا۔‘‘

‘‘ہاں، تمام دولت اسی کے قبضے میں ہے۔‘‘

‘‘تو کیا وہ اپنی چچی کی مدد نہیں کرتا؟’’

‘‘وہ ایک خود غرض اور خود پرست نوجوان ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کی لاٹری نکل آئی ہے۔ اول تو تیمور شمسی نے ہی سب کچھ چھوڑ دیا۔ دوسرے ان کی بیگم اور بیٹے نے بھی اس دولت کی طرف توجہ نہیں دی، نتیجے میں سب کچھ اس کے قبضے میں چلا گیا اور وہ مزے کر رہا ہے۔ دوسری طرف شمیل شمسی بھی اس دنیا میں نہیں رہا۔‘‘

‘‘افسوس۔ ویسے ماموں جی، میں مسز شمسی سے دوبارہ ملوں گی۔’’ نگین نے کہا۔

☆......☆......☆

جونہی گھڑی کی سوئی گیارہ پر پہنچی نگین کے سیل کی روشنیاں چمکنے لگیں۔ نگین نے بستر پر انگڑائی لی اور سیل اٹھا کر کان سے لگا لیا۔

‘‘دربار حسن میں سلام عرض۔’’ دوسری طرف سے طاہر کی آواز سنائی دی۔

‘‘اوں ہونہہ۔ کیا دقیانوسی الفاظ استعمال کرتے ہو۔ تھوڑا سا ہوم ورک ہی کر لیا کرو۔‘‘

‘‘ہوم آباد ہو جائے گا تو وہ بھی کر لیں گے۔’’ طاہر نے کہا۔

‘‘کہاں ہو؟’’

''نرم وگداز بستر پر۔ دوسرے پورشن میں، برابر گول تکیہ رکھ کر اسے خوبصورت شال اوڑھا رکھی ہے، اس سے باتیں کر رہا تھا۔''

''طاہر، کیا ہم دونوں بے وقوف نہیں ہیں۔''

''کیوں......؟''

''دو ہزار پندرہ میں، اٹھارہ سو پندرہ کا عشق کر رہے ہیں۔ اصولی طور پر تو اب محبت کرنے والوں کو سیاروں پر ملاقات کرنی چاہئے۔ جیسے تم کہو نگین کل ایک بجے جوپیٹر پر ہوٹل فلاسک میں لنچ کریں گے، تم ٹرانسمیشن اسٹیشن نمبر بیس سے ٹرانسمٹ ہو کر جوپیٹر پہنچ جانا، میں انتظار کروں گا۔ میں کہوں نہیں طاہر ہم وینس کے ''پارفو'' میں ملیں گے۔ اس کے برعکس تم سلام عشق میری جان ذرا قبول کرلو یا بستر پر تکیے سے باتیں کر رہے ہو۔''

''ویری گڈ۔ ان کمبخت ٹرمینیٹر جیسی فلموں نے اس طرح کی بیماریاں عام کردی ہیں، یہاں شہر میں ٹرانسپورٹ تک کی سہولت میسر نہیں ہے اور آپ جوپیٹر پر ٹرانسمٹ ہو رہی ہیں۔ خیر چھوڑو، کل کا کیا پروگرام ہے۔''

''بھول گئے۔ کل خاور بھائی آرہے ہیں۔ میں نے بتایا تو تھا۔''

''اوہاں۔ کس وقت کی فلائٹ ہے؟''

''دو بجے دوپہر......آؤ گے؟''

''ایئرپورٹ؟''

''ہاں!''

''نہیں آؤں گا، ضروری میٹنگ ہے۔ خاور بھائی سے بعد میں ملاقات ہو جائے گی۔''

''او کے۔ اسلام آباد کا کیا پروگرام ہے؟''

''جمعرات کی سیٹ بک ہے۔''

''دس جون یاد ہے؟''

''زندگی کی طرح۔ اپنی نگین کی برتھ ڈے بھول سکتا ہوں بھلا۔''

دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے۔ روزانہ رات کو گیارہ بجے وہ سیل فون پر بات کرتے تھے۔ طاہر ایک خوبصورت دولت مند نوجوان تھا، نگین سے اس کی ملاقات کالام میں ہوئی تھی جب وہ خراب موسم کا شکار ہو گئے تھے اور ان کی کاریں لینڈ سلائیڈنگ کی زد میں آگئی تھیں۔ نگین سخت دہشت زدہ ہو گئی تھی لیکن طاہر نے اسے زبردست حوصلہ دیا تھا۔ دونوں ایک ہی شہر کے رہنے والے تھے۔ طاہر اپنا بزنس کرتا تھا اور خاندانی رئیس تھا، نگین بھی بزنس مین کی بیٹی تھی، چنانچہ شہر واپس آکر بھی دونوں کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ طاہر نے نگین سے باقاعدہ عشق شروع کر دیا لیکن نگین اسے ایک اچھے دوست کا درجہ دیتی تھی۔

''ہم کبھی شادی نہیں کریں گے۔'' نگین نے کہا۔

''کیوں؟''

''ہماری دوستی ختم ہو جائے گی یار۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہو نگین۔ ہم زندگی بھر کے ساتھی بن جائیں گے۔ میں تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔''

''ایسی باتوں سے میرے سر میں درد ہونے لگتا ہے۔''

''تم سنجیدہ ہو؟''

''سو فیصد۔''

''میرے لئے یہ بڑی پریشانی کی بات ہے۔ کیا واقعی تم کبھی شادی نہیں کرو گی۔''

''میں نہیں جانتی۔''

طاہر خاموش ہوگیا۔ وہ نگین سے شادی کرنا چاہتا تھا لیکن نگین کے بارے میں اندازہ لگا چکا تھا کہ مشکل لڑکی ہے۔ لاابالی طبیعت کی مالک، گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشہ۔ حالانکہ اس نے طاہر کو اپنے اہل خاندان سے ملا دیا تھا، خاص طور سے اس کی والدہ بیگم جلال اسے بہت پسند کرتی تھیں۔ انہوں نے نگین کو طاہر سے ملنے کی پوری آزادی دے رکھی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ طاہر جیسے خوش رو، خوش مزاج اور دولت مند نوجوان کو نگین سے منسلک دیکھنا چاہتی تھیں۔

☆……☆……☆

بیرسٹر احمد کمال نگین کے ماموں تھے، لیکن وہ بے حد مصروف رہتے تھے۔ دوسرے دن ایئر پورٹ پر سارا خاندان خاور جلال کو لینے پہنچ گیا۔ فلائٹ لیٹ تھی، اس لئے بے چینی سے انتظار کیا جانے لگا۔ خاور جلال تین سال کے بعد لندن سے واپس آ رہا تھا۔ وہاں وہ ایک بڑے کاروباری پروجیکٹ پر کام کر رہا تھا اور ان تین سالوں میں اسے ایک بار بھی وطن واپس آنے کا موقع نہیں ملا تھا، جبکہ گھر میں ہر شخص اسے مس کر رہا تھا۔ خاص طور سے نگین تو بھائی پر جان دیتی تھی۔ سب سے زیادہ وہی اس کے لئے بے چین تھی۔

فلائٹ آ گئی اور کچھ دیر کے بعد خاور بھی نظر آ گیا۔ کسٹم وغیرہ سے فراغت کے بعد وہ باہر کی طرف بڑھا۔ اس دوران کئی بار اس نے ان لوگوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا۔ نگین نے کئی بار غور سے اپنے بھائی کو دیکھا تھا۔ خاور پہلے سے زیادہ خوبصورت نظر آ رہا تھا، جب وہ باہر کی طرف بڑھا تب بھی اس نے اس نوجوان کو خاور کے ساتھ دیکھا۔ وہ مسلسل اس کے ساتھ نظر آ رہا تھا۔ وہ انتہائی دلکش شخصیت کا مالک تھا۔ پھر وہ خاور کے ساتھ ہی باہر آ گیا تھا۔

بیگم جلال خاور سے لپٹ گئیں۔ دوسرے لوگ بھی اس سے ملے اور پھر نگین بھی بھائی کے سینے سے جا لگی۔

’’یہ تمہارے ساتھ ہیں خاور۔‘‘ بیگم جلال نے پوچھا۔

’’ہاں، بس میں ان کا تعارف کرانے ہی والا تھا۔ یہ فاروق ہیں۔ میرے سب سے پیارے دوست، میرے لئے بھائیوں جیسے!‘‘

بیگم جلال نے سرسری سے انداز میں فاروق سے بات کی۔ پھر ایئر پورٹ سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے کہا۔ ’’تمہارے دوست کو کوئی لینے نہیں آیا؟‘‘

’’اس کا کوئی نہیں ہے۔ لندن میں بھی وہ میرے ساتھ ہی رہتا ہے، یہاں بھی میرے ساتھ رہے گا۔‘‘

’’اچھا اچھا۔‘‘ بیگم جلال نے بیٹے کے لہجے سے اندازہ لگایا کہ فاروق کی کیا حیثیت ہے۔ نگین نے بھی بھائی کے الفاظ سنے تھے اور غور سے فاروق کو دیکھا تھا۔ فاروق کے خدوخال بے حد دلکش تھے۔ گہری سیاہ آنکھیں پرکشش تھیں، چہرے پر بلا کی معصومیت تھی۔ اس کے دل کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔

خوبصورت کوٹھی میں خاور کی آمد سے بہار آ گئی۔ سب خوش تھے۔ فاروق کے لئے بھی اچھا بندوبست کر دیا گیا تھا۔ سب سے بڑی خوشخبری گھر والوں کے لئے یہ تھی کہ خاور کا لندن کا پروجیکٹ ختم ہو گیا تھا اور اب اسے واپس نہیں جانا تھا۔

تین دن کے بعد دس جون تھی۔ یہ نگین کی سالگرہ کا دن بھی تھا، جس کی خوشی خاور کے آ جانے سے دوبالا ہو گئی تھی۔ مہمانوں کو دعوت نامے بھیج دیئے گئے تھے۔

نگین نے احمد کمال کو فون کیا۔ ’’آپ کہاں غائب ہیں ماموں جی۔ خاور بھائی آپ کو کئی بار پوچھ چکے ہیں۔‘‘

’’ہم پر معافی واجب ہو گئی ہے، لیکن یقین کرو سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ ایک دو دن کی مصروفیت اور ہے اس کے بعد ڈھیروں وقت تمہارے ساتھ گزاریں گے۔‘‘

’’دس جون بھی یاد نہیں ہوگی۔‘‘ نگین نے شکایت بھرے لہجے میں کہا۔

’’تمہاری پیدائش کے بعد سے کبھی بھولے ہیں، بولو۔‘‘

’’ایک بات خاص طور سے کہنی تھی۔‘‘

’’ہاں بولو۔‘‘

’’وہ اس دن مسز شمسی ملی تھیں۔‘‘

’’ہاں!‘‘

’’سالگرہ میں انہیں بھی لانا ہے۔‘‘

’’ہوں!‘‘ احمد کمال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا، پھر بولے۔ ’’اتنا اختیار تو نہیں ہے مجھے ان پر۔ لیکن بھرپور کوشش کروں گا۔‘‘

’’انہیں لانا ہے بس۔‘‘ نگین نے ضد کرتے ہوئے کہا۔

☆……☆……☆

کوٹھی کالان روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔ مہمان زرق برق لباسوں میں آ رہے تھے۔ احمد کمال بھی زاہدہ شمسی کے ساتھ آ گئے تھے۔ زاہدہ شمسی سادہ سے لباس میں بے حد پروقار لگ رہی تھیں۔ نگین اور خاور نے احمد کمال اور بیگم شمسی کا استقبال کیا۔

’’باہر کے ملکوں میں رہ کر ہمیں وقت کی قدر کا احساس ہوتا ہے۔ وہ لوگ وقت کے معاملے میں کمپرومائز نہیں کرتے۔ اس لئے میں بالکل نہیں کہوں گا کہ پیارے ماموں جی نے اتنے دن کے بعد مجھ سے یہ رسمی ملاقات کیوں کی ہے۔‘‘ خاور نے احمد کمال سے خوبصورت گلا کیا۔

’’یہ رسمی ملاقات نہیں ہے میری جان، ویسے بہت خوبصورت ہو گئے ہو۔‘‘ احمد کمال نے خاور سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

’’آخر وکیل ہیں، ماہر نفسیات۔‘‘ خاور ہنس کر بولا۔

’’میری پیاری سی چچی جان سے ملئے خاور بھائی۔ مسز زاہدہ شمسی اور چچی جان آپ کے آنے سے میں اتنی خوش ہوں کہ بیان نہیں کر سکتی۔‘‘

’’تم نے مجھے یاد رکھا بیٹی، میں شکر گزار ہوں۔‘‘

’’آپ میری چچی بن چکی ہیں۔ اب میں آپ کا پیچھا نہیں چھوڑوں گی۔‘‘ نگین نے کہا اور احمد کمال زاہدہ کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ نگین اور خاور دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔

پھر طاہر بھی ایک خوبصورت سوٹ میں ملبوس آ گیا۔ نگین نے خاور سے اس کا تعارف کرایا تو خاور نے کہا۔ ’’اوہ، ہاں۔ ممّا مجھے ان کے بارے میں بتا چکی ہیں۔‘‘

’’ممّا نے میرے بارے میں خاور بھائی کو کیا بتایا ہوگا نگین۔‘‘ بعد میں طاہر نے نگین سے پوچھا۔

’’کہی ہوگی کوئی احمقانہ بات، لیکن خدا کا شکر ہے اب ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ سب کو اپنے فیصلے خود کرنے ہوتے ہیں۔‘‘ نگین نے کسی قدر خشک لہجے میں کہا اور پھر اپنے بائیں سمت دیکھتے ہوئے بولی۔ ’’آؤ تمہیں اپنی چچی جان سے ملاؤں۔‘‘

طاہر نے اس کے اشارے کی سمت دیکھا اور اچانک پتھرا کر رہ گیا۔ نگین یہ الفاظ کہہ کر مسز شمسی کی طرف بڑھ گئی تھی وہ سمجھ رہی تھی کہ طاہر اس کے ساتھ آ رہا ہے لیکن طاہر کے قدم ایک لمحے کے لئے جم سے گئے۔ پھر وہ پلٹ کر دوسری سمت چل پڑا اور ایک ایسی جگہ آڑ میں جا کھڑا ہوا جہاں سے وہ نگین اور زاہدہ شمسی کو دیکھ سکے۔

اسے اس عورت سے شدید نفرت تھی۔ اس کے تصور سے ہی اسے وحشت ہوتی تھی۔ یہ جج تیمور شمسی کی بیوہ تھی۔ وہ اس خاندان کا کچھ بھی نہیں تھا۔ ہمایوں شمسی نے اسے کہیں سے لے کر پرورش کیا تھا کیونکہ وہ بے اولاد تھے۔ وہ انہیں کے پاس جوان ہوا لیکن اس خاندان نے اسے قبول نہیں کیا، وہ خود بھی اجنبی اجنبی رہا۔

پھر ہمایوں شمسی اور تیمور شمسی کے درمیان جائداد کا تنازع ہوا اور تیمور شمسی جو بے حد جذباتی انسان تھے، سب کچھ بھائی کو دے کر ان سے الگ ہو گئے لیکن ہمایوں بھائی سے الگ ہو کر خوش نہیں تھے۔ انہوں نے بارہا کوشش کی کہ بھائی سے اختلاف دور ہو جائے لیکن تیمور شمسی انتہا پسند تھے، نہ مانے اور آخر کار چل بسے۔

ہمایوں شمسی نے اپنا سب کچھ بھتیجے شمیل شمسی کے نام کر دیا کیونکہ لے پالک طاہر کی عادات انہیں پسند نہیں تھیں۔ پھر ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

اس دوران شمیل بھی حالات کا شکار ہو کر ملک سے باہر چلا گیا۔ بیگم شمسی تنہا رہ گئیں۔ وہ کسی نہ کسی طرح بسر کر رہی تھیں۔ بیرسٹر احمد کمال جو اس خاندان کے قانونی مشیر تھے طاہر کو بتا چکے تھے کہ اس تمام دولت کا قانونی حقدار شمیل شمسی ہے اور اگر وہ قبول کر لے اور جذباتی نہ ہو تو یہ ساری دولت اور جائداد اسے منتقل ہو سکتی ہے۔

ہمایوں شمسی نے اپنے کاروباری معاملات طاہر کے حوالے کر رکھے تھے اور وہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کر رہا تھا لیکن یہ دونوں ماں بیٹے اس کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے۔ وہ ان کی طرف سے باخبر رہتا تھا۔

پھر جب اسے شمیل کی موت کی خبر ملی تو اس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ راستے کا سب سے بڑا کانٹا ہٹ گیا تھا۔ شمسی خاندان کی دولت کا اب اس کے علاوہ کوئی حقدار نہیں رہا

تھا۔

بیگم شمسی شوہر کی طرح پاگل تھی۔ اس نے بیرسٹر احمد کمال سے صاف کہہ دیا تھا کہ جو چیز تیمور چھوڑ چکا ہے وہ اسے قبول نہیں کرے گی، ہاں اگر شمیل چاہے تو اپنا حق لے سکتا ہے، اسے اعتراض نہیں ہوگا۔ پھر شمیل بھی راستے سے ہٹ گیا۔

طاہر خوش باش نوجوان تھا۔ خوبصورت اور فیشن ایبل تھا، کئی لڑکیوں سے اس کی گہری دوستی تھی لیکن نگین کے لئے وہ دل میں دوسرے جذبات رکھتا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ نگین ایک خاندانی لڑکی تھی، خوبصورت تھی، دولت مند تھی۔ اس نے اس خاندان میں قدم بڑھائے اور اس کی پذیرائی ہوئی۔

نگین اس سے گھل مل ضرور گئی تھی لیکن وہ عجیب فطرت کی مالک تھی۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ اس کی بہترین دوست بن سکتی ہے، اس سے زیادہ کا وہ ابھی فیصلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے برعکس نگین کی والدہ بیگم جلال نگین کے لئے طاہر کو پسند کرتی تھیں اور اس کا اظہار بھی کر چکی تھیں۔

اس وقت طاہر یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا کہ زاہدہ شمسی ان کی مہمان تھی۔ وہ چکرا کر رہ گیا تھا۔ یہ یہاں کہاں سے آ گئی لیکن غور کرنے پر ساری صورت حال سمجھ میں آ گئی۔ ایسا یقیناً احمد کمال کی وجہ سے ہوا ہوگا۔

نگین دوسرے مہمانوں میں مصروف تھی۔ وہ زاہدہ کے پاس سے اٹھ گئی تھی لیکن طاہر کی تقدیر کا روشن ستارہ آج مکمل تاریکی میں ڈوب رہا تھا۔ اس پر پے در پے دھماکے ہو رہے تھے۔

اس نے دیکھا کہ خاور ایک نوجوان کو بازو سے پکڑے لا رہا ہے۔ خوبصورت نوجوان کافی لاغر نظر آ رہا تھا اور کچھ گھبرایا گھبرایا سا تھا لیکن اس کے چہرے کے نقوش طاہر کے لئے اجنبی نہیں تھے۔ وہ شمیل تھا۔ وہ سو فیصد شمیل تھا۔ مردہ زندہ ہو گیا تھا۔

بالکل اتفاقیہ طور پر وہ خاور کے ساتھ مسز شمسی کے پاس سے گزرا تو نگین نے دونوں کو روک لیا اور زاہدہ سے بولی۔ ”چچی جان، ان سے ملیں، یہ فاروق ہیں۔ خاور بھائی کے ساتھ......“

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ زاہدہ کی نگاہ فاروق پر پڑی تھی کہ زاہدہ کے حلق سے ایک دلخراش چیخ نکلی۔ ”شمیل۔“ یہ کہہ کر وہ دیوانوں کی طرح اپنی جگہ سے اٹھی اور گرتے گرتے بچی۔ سب دنگ رہ گئے تھے۔

فاروق بھی چونک کر بیگم شمسی کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔ ”امی، امی، میری امی۔“

محفل کا رنگ ہی بدل گیا تھا۔ دونوں ماں بیٹے ایک دوسرے سے لپٹ کر رو رہے تھے۔ بیرسٹر احمد کمال بھی ادھر لوگوں کو جمع دیکھ کر آ گئے اور خود بھی سکتے میں رہ گئے۔ پھر وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ”یہ شمیل شمسی ہے، جج تیمور شمسی کا بیٹا، جس کی موت کی خبر مل چکی تھی، جسے مردہ تصور کر لیا گیا تھا لیکن یہ......“

خاور احمد، کمال صاحب کو بتانے لگا۔ ”کافی عرصہ سے لندن میں میرے ساتھ تھا۔ ایک پبلک پیلس پر عجیب سے انداز میں ملا تھا۔ نقوش سے ایشیائی لگا، بعد میں پتا چلا پاکستانی ہے۔ اس کی یادداشت کھو گئی تھی۔ ویسے ٹھیک باتیں کرتا تھا بس یہ کہتا تھا کہ پتا نہیں میں کون ہوں، کہاں رہتا تھا، میرے ساتھ کیا ہوا ہے مجھے یاد نہیں۔ مجھے اچھا لگا۔ ویسے بھی بے یار و مددگار تھا، میں نے اسے اپنے ساتھ رکھ لیا اور اب یہ میرے لئے چھوٹے بھائی جیسا ہے لیکن یہ سب کچھ...... میرے خدا۔“

شمیل ماں سے الگ ہو گیا تھا لیکن اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے آثار تھے، جیسے ذہن پر چھائی ہوئی دھند کے گہرے پردے کو ہٹانے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ بار بار گردن جھٹک رہا تھا۔ دوسری طرف زاہدہ شمسی کو جیسے قارون کا خزانہ مل گیا تھا۔ وہ بار بار شمیل سے لپٹ رہی تھی کبھی اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر چوم رہی تھی، کبھی چہرے کو ہاتھ میں لے کر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی، جیسے یقین کر رہی ہو کہ جو کچھ دیکھ رہی ہے سچ ہے۔

بڑا جذباتی منظر تھا۔ لوگ ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ایک طرف نگین کھڑی یہ انوکھا منظر دیکھ رہی تھی جس نے اس کی سالگرہ کو یادگار بنا دیا تھا لیکن ایک شخص ایسا بھی تھا جس کا وجود اندر سے خاکستر ہو گیا تھا۔

یہ طاہر تھا۔ جو غصے اور مایوسی کی ملی جلی کیفیات کا شکار تھا۔ اس کے سنہرے خوابوں کا محل چکنا چور ہو گیا تھا۔ سہانے مستقبل پر تاریکی چھا گئی تھی۔ عیش و عشرت میں بسر ہونے والی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اب نہ جانے کیا ہوگا۔ ممکن ہے شمیل کا ذہن بدل جائے، یہ سب کچھ قانونی طور پر شمیل کی ملکیت ہے۔ وہ اس میں سے ایک پائی کا حقدار بھی نہیں ہے۔ آہ! خدا غارت کرے اس خاور جلال کو جو نہ جانے کہاں سے اس گڑے مردے کو اکھاڑ لایا اور...... نگین...... اس نے غصے سے نگین کو دیکھا۔ وہ پوری طرح ان ماں بیٹوں کی طرف متوجہ تھی۔ اسے جیسے بھول گئی تھی۔

اس کے بعد اس سے وہاں نہ رکا گیا۔ وہ واپس مڑا اور اپنی کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑا۔

☆……☆……☆

بہت دیر کے بعد نگین کو طاہر کا خیال آیا تھا۔ اس نے کئی جگہ تلاش کیا۔ پھر اس نے موبائل پر اس کا نمبر لگایا لیکن طاہر کا سیل بند تھا۔ جیلس ہو گیا، بھاڑ میں جائے۔ وہ ناک سکوڑ کر بڑبڑائی۔ وہ اس واقعے پر شدید حیران تھی۔ ماں نے بیٹے کو مردہ مان لیا تھا لیکن وہ زندہ تھا۔

اس کے بعد نگین نے طاہر پر توجہ نہیں دی، خلاف اخلاق حرکت کی تھی اس نے۔ ٹھیک ہے، مرضی کا مالک ہے۔ محفل ایک بجے رات تک جاری رہی۔

’’یہ گھر بہت کشادہ ہے آنٹی۔ آپ میرے فاروق اور اپنے شمیل کی والدہ ہیں۔ میرے لئے ماں جیسی کیونکہ مجھے اس سے سگے بھائیوں جیسا پیار ہے۔ آپ زندگی بھر اپنے دوسرے بیٹے خاور کے ساتھ رہ سکتی ہیں۔ بس میں اس لئے آپ کو اور فاروق، معاف کیجئے شمیل کو نہیں روکوں گا کہ آپ اتنے عرصے کے بعد ملے ہیں……‘‘

’’کتنی مبارک ہے نگین کی سالگرہ جس میں، میں اسے کوئی قیمتی تحفہ نہیں دے سکی لیکن جیسے مجھے کائنات تحفے میں مل گئی ہے۔‘‘ زاہدہ نے کہا۔

تمام مہمان جا چکے تھے۔ ملازم چیزیں سمیٹنے میں مصروف تھے۔ تھکے ہوئے لوگ اپنی آرام گاہوں میں چلے گئے۔ نگین بھی شب خوابی کا لباس پہن کر بستر میں چلی گئی۔ سالگرہ معمول کے مطابق بہت شاندار رہی تھی لیکن اس حیران کن واقعے نے اس کی آنکھوں سے نیند غائب کر دی تھی۔ وہ طاہر کے بارے میں بھی سوچ رہی تھی۔

اس وقت رات کے سوا دو بجے تھے جب اس کے سیل پر وائبریشن ہوئی۔ اس نے اسے اٹھا کر دیکھا۔ طاہر کی کال تھی۔ اس نے سیل آن کر لیا۔

’’جاگ رہی ہو نگین؟‘‘

’’ہاں…… پارٹی ایک بجے ختم ہوئی تھی۔‘‘

’’مجھ سے ناراض ہو گی؟‘‘

’’اپنی رائے محفوظ رکھتی ہوں۔‘‘

’’ہوں۔ اصل میں نگین میں ایک بہت بڑے حادثے کا شکار ہو گیا ہوں۔‘‘

’’حادثہ……؟‘‘

’’ہاں، میں تمہیں سب کچھ بتا رہا ہوں۔ وہ خاتون جنہیں بیرسٹر کمال اپنے ساتھ لائے تھے، ایک طرح سے میری چچی ہیں۔‘‘ طاہر نے مختصر الفاظ میں پوری تفصیل بتائی پھر بولا۔ ’’مجھے یہ دولت یہ جائداد شمیل کی موت کے بعد ملی تھی۔ اس کی زندگی میں اس میں سے کچھ میرا نہیں تھا کیونکہ جس شخص نے مجھے پالا تھا اس نے اپنی وصیت میں اپنا سب کچھ بھی شمیل کے نام لکھا ہے۔ اس طرح میں زمین پر آ گیا ہوں۔ بیرسٹر احمد کمال ان کے وفادار ہیں وہ اب صورت حال بدل دیں گے۔‘‘

نگین اپنی کیفیت کا خود اندازہ نہیں کر پا رہی تھی۔ اس دن اپنے ماموں کے ساتھ اتفاق سے کہیں جا رہی تھی کہ زاہدہ شمسی نظر آ گئیں، غیر اختیاری طور پر اسے وہ بہت پسند آئی تھیں اور اس نے ان سے دوبارہ ملنے کا فیصلہ کیا۔

پھر خاور آ گیا اور ساتھ سالگرہ بھی اور اس نے مسز شمسی کو بلا لیا…… لیکن…… یہ قدرت کا جانا بوجھا عمل تھا۔ اسے بچھڑے ہوئے ملانے تھے اور یہ اس کی خوش نصیبی تھی کہ یہ عمل اس کی سالگرہ اور اس کے خاندان کے ذریعے ہوا تھا۔

’’میں تمہارے اس دلیرانہ اعتراف کی دل سے قدر کرتی ہوں، لیکن تم اسے حادثہ کیوں کہتے ہو۔ وہ لوگ بہت بڑے تھے کہ انہوں نے اتنی بڑی جائداد ٹھکرا دی تھی لیکن اب تم اپنی بڑائی کا ثبوت دیتے ہوئے ان کا سب کچھ انہیں واپس کر دو!‘‘

’’گڈ…… کیا عمدہ مشورہ ہے۔ لگتا ہے کوئی فلم چل رہی ہے جس کے سارے کردار ڈرامائی ہیں۔ خیر چھوڑو، یہ بتاؤ خدانخواستہ میں اس دولت سے محروم ہو جاتا ہوں تو تمہارا رویہ میرے ساتھ کیسا ہو گا؟‘‘

’’جیسا اب تک رہا ہے۔‘‘

’’تم مجھ سے شادی کر لو گی؟‘‘

’’تمہارا ذہنی توازن خراب ہو گیا ہے شاید۔ میں نے پہلے تم سے شادی پر آمادگی کا اظہار کب کیا تھا۔ میں نے تم سے صاف کہا تھا کہ تم صرف میرے دوست ہو اور کچھ نہیں۔ میں نے اس بارے میں کبھی تمہاری پذیرائی نہیں کی۔‘‘

''تمہیں مجھ سے محبت نہیں ہے۔''

''صرف اتنی، جتنی کسی شناسا سے ہوتی ہے۔ او کے۔ اب میں سونا چاہتی ہوں بہت رات ہو چکی ہے۔'' نگین نے کہا اور سیل آف کر دیا۔

طاہر نے بھی دوبارہ کال نہیں کی تھی۔

دوسرے دن وہ شمیل کے بارے میں باتیں کرنے لگے۔ خاور نے اس کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔ ''قدرت ایسے ہی انسان کے دل میں خود کو جگاتی ہے امی جان۔ میں جب بھی اس شخص کے بارے میں سوچتا تھا ایک دکھ کا شکار ہو جاتا تھا لیکن میں نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اسے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھوں گا، یہی سوچ کر میں اسے لندن سے اپنے ساتھ لایا تھا لیکن یہاں قدرت نے ایک اور ہی انتظام کر رکھا تھا۔''

''ہاں واقعی۔ یہ معجزہ ہے لیکن آپ اُسے فاروق کیوں کہتے تھے؟'' نگین نے پوچھا۔

''اسے اپنا نام تک یاد نہیں تھا۔ کچھ بھی یاد نہیں تھا اپنے بارے میں اور شاید اب بھی اسے یاد نہ ہو کہ اس پر کیا گزری تھی۔ فاروق میرے ایک اور دوست کا نام تھا جو لندن میں میرے ساتھ رہا۔ پھر چلا گیا۔ بس میں نے اسے فاروق کہنا شروع کر دیا۔''

''مجھے اس کے بارے میں اور بھی تفصیل معلوم ہوئی ہے۔'' نگین نے کہا تو خاور چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ تب نگین نے اسے طاہر کی سنائی ہوئی پوری کہانی سنائی اور بیگم جلال جواب تک سرسری طور پر یہ باتیں سن رہی تھیں چونک کر توجہ سے ساری باتیں سننے لگیں۔ ان کا بیزاری کا انداز یکلخت بدل گیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ طاہر جو کچھ نظر آتا ہے وہ نہیں ہے۔''

''ہاں۔ اس نے اعتراف کیا ہے کہ اب وہ قلاش ہے۔''

''گویا شمیل کی والدہ کو صرف ان کا کھویا ہوا بیٹا ہی نہیں ملا بلکہ وہ ساری دولت اور جائداد بھی مل گئی ہے۔'' بیگم جلال نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

☆……☆……☆

نگین نے جس بیزاری سے فون بند کر دیا تھا، اس سے طاہر کے رگ و پے میں آگ بھر گئی تھی۔ ویسے نگین نے جھوٹ نہیں بولا تھا۔ اس نے ہمیشہ اپنے اور طاہر کے درمیان ایک حد رکھی تھی۔ اسے صرف ایک دوست کا مقام دیا تھا لیکن طاہر کو یقین تھا کہ آخر کار وہ نگین کو رام کر لے گا۔ خاص طور سے بیگم جلال پوری طرح اس کی مٹھی میں آ گئی تھیں، وہ ایک لالچی خاتون تھیں اور انہیں دولت مند لوگوں کی قربت سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ نگین کے سلسلے میں اسے بیگم جلال کی پوری مدد حاصل رہے گی، لیکن اچانک تقدیر پر کالک پھر گئی تھی۔

طاہر بچپن سے ہی خود غرض اور خود سر تھا۔ ہمایوں کی موت کے بعد وہ اور خود سر ہو گیا تھا۔ بے شک تیمور شمسی نے غصے میں آ کر سب کچھ چھوڑ دیا تھا لیکن قانونی طور پر وہ جب چاہتے اپنا حصہ حاصل کر سکتے تھے۔ طاہر کو ہمیشہ یہ خوف رہا کہ کہیں تیمور شمسی کا دماغ نہ پھر جائے۔ ادھر ہمایوں شمسی نے جو اس سے ہمیشہ نالاں رہا تھا اپنا حصہ بھی بھائی کے بیٹے کے نام کر دیا۔ ہمایوں کو بھائی کے ساتھ ہونے والی حق تلفی کا پورا احساس تھا۔

طاہر سخت خوفزدہ ہو گیا تھا۔ تیمور شمسی کا انتقال ہو گیا۔ پھر اسے علم ہوا کہ شمیل شمسی ملک سے باہر چلا گیا ہے اور پھر وہ دن اس کے لئے عید کا دن تھا جب اسے شمیل کی موت کی خبر ملی۔ اب میدان صاف تھا۔ اس نے قانون کا سہارا لیا اور سب کچھ اپنے قبضے میں کر لیا، کیونکہ بیگم زاہدہ نے اب بھی کچھ لینے سے انکار کر دیا تھا۔

بیرسٹر احمد کمال نے اس سے کئی بار کہا کہ وہ زاہدہ کا خیال کرے، بیشک وہ اس کی سگی چچی نہیں ہے لیکن یہ دولت اسی کی ہے مگر طاہر دولت کے نشے میں چور تھا، اس نے کوئی پروا نہیں کی لیکن یہ منحوس سالگرہ اور یہ مخنی خاور جلال، اس نے سب چوپٹ کر دیا۔

اب اندازہ ہو رہا تھا کہ کھیل سنگین شکل اختیار کر گیا ہے۔ وہ ساری رات اس نے سوچتے ہوئے گزاری تھی اور اسی سوچ بچار کے نتیجے میں دوسرے دن وہ زاہدہ اور شمیل کے پاس پہنچ گیا۔ شمیل نے ماں کو پہچان لیا تھا لیکن اس کی حالت ابھی بالکل ٹھیک نہیں ہوئی تھی۔ اسے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات یاد نہیں آئے تھے۔ اس نے مکاری سے کہا۔ ''میرے اندر اور کوئی خلوص ہو یا نہ ہو چچی جان لیکن یہ دعا میں خلوص سے دے رہا ہوں کہ شمیل بالکل ٹھیک ہو جائے اور آپ دونوں خوشی کی زندگی بسر کریں۔''

''شکریہ بیٹے!'' زاہدہ نے پروقار لہجے میں کہا۔

''بہت سی کوتاہیاں ہوئی ہیں مجھ سے۔ ان کی معافی نہیں مانگوں گا کیونکہ سب کچھ کرنے کے بعد معافی مانگنا ایک مکروہ عمل ہے۔ ہاں یہ اعتراف ضرور کروں گا کہ مجھے آپ کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔''

زاہدہ نے کوئی جواب نہیں دیا تو طاہر نے پھر کہا۔ “میں بہت جلد جائداد کے تمام کاغذات اور حسابات تیار کرلوں گا اور شمیل کی امانت اس کے سپرد کردوں گا۔”

زاہدہ کچھ دیر خاموش رہی، پھر بولی۔ “طویل عرصہ ہم لوگ دور رہے طاہر، سب ختم ہوگئے۔ رشتے تاریک ہوگئے لیکن تم شمسی خاندان سے منسلک ہو، تیمور نے رنج کے عالم میں اپنے جائز حقوق چھوڑ دیئے تھے۔ مجھے ان کے ساتھ چلنا تھا۔ یہی میرے بیٹے نے کیا لیکن مجھے اس کے سنگین نتائج بھگتنے پڑے۔ اب میرا شمیل مجھے دوبارہ مل گیا ہے۔ میں ماں ہوں، مجھے اس کی دیکھ بھال کرنی ہے اور اس کے لئے اس کے خاندانی ترکے کی واپسی ضروری ہے۔ ہاں تمام تر گزری تلخیوں کے باوجود، میں تمہیں دعوت دیتی ہوں کہ ہم میں شامل رہو۔ جو کچھ جیسے چل رہا ہے چلنے دو لیکن مالک کی حیثیت سے نہیں، ایک نگراں کی حیثیت سے۔”

یہی طاہر جاننا چاہتا تھا۔ انہی الفاظ پر مستقبل کا دارومدار تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ دونوں سر پھرے ماں بیٹے اب بھی اس دولت سے گریز کریں گے یا ان کے خیالات بدل گئے ہیں اور اسے بیگم شمسی کے خیالات کا پتا چل گیا تھا۔

کوئی خاص جواب دیئے بغیر وہ وہاں سے چلا آیا لیکن اندر کی آگ اور بھڑک اٹھی تھی۔ وہ سوچتا تھا، اب اور سوچتا تھا۔ بڑے گہرے انداز میں سوچتا تھا، مستقبل کی کشتی گرداب میں پھنس گئی تھی، اسے ڈوبنے سے بچانا تھا۔ جیسے بھی ممکن ہو۔

☆……☆……☆

بہت عرصہ ساتھ رکھا تھا خاور نے شمیل کو۔ بہت محبت کرنے لگا تھا وہ اس کھوئے کھوئے سے نوجوان سے۔ یہ سوچ کر اسے وطن لایا تھا کہ زندگی بھر ساتھ رکھے گا لیکن فاروق ایک دم شمیل میں تبدیل ہوگیا تھا البتہ یہ تبدیلی بہت مبارک تھی۔ ماں کو بچھڑا لعل مل گیا تھا اور شمیل کو اس کی یادداشت۔ اس نے یہ حق خلوص سے مان لیا تھا، البتہ وہ اسے خود سے دور نہیں رکھ سکتا تھا۔

خاور نے کار ایک گھر کے سامنے روک دی۔ نگین نے اس گھر کی نشاندہی کی تھی، کیونکہ ایک بار وہ زاہدہ شمسی کو بیرسٹر کمال کے ساتھ چھوڑنے آئی تھی۔ اس نے ہنس کر خاور کو بتایا تھا کہ اس نے ماموں جی سے کہا تھا کہ وہ مسز شمسی سے دوبارہ ضرور ملے گی۔

“کیسا خوبصورت گھر ہے۔” خاور نے کہا۔

گھر واقعی خوبصورت تھا۔ سامنے چھوٹا سا باغیچہ، نیم کا گھنا درخت۔ بیگم شمسی انہیں دیکھ کر نہال ہوگئی تھیں۔ وہ انہیں گھر کے چھوٹے سے ڈرائنگ روم میں لے گئیں۔ مختصر سا فرنیچر سفید براق پردے۔ سب کچھ بے حد پروقار۔

“میں تمہارا احسان آخری سانس تک نہیں بھول سکتی بیٹے۔”

“کیسا ہے وہ؟” خاور نے پوچھا۔

“بے حد کمزور ہوگیا ہے۔ کہتا ہے اسے بالکل یاد نہیں کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔”

“ہم اس کا بہترین علاج کرائیں گے۔ ابھی اس کے ذہن پر زیادہ زور نہیں پڑنا چاہئے۔” خاور نے کہا۔

“اسے لے کر آتی ہوں۔” مسز شمسی نے کہا اور اجازت لے کر اندر چلی گئیں۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ شمیل کے ساتھ اندر آگئیں۔ شمیل دونوں ہاتھ پھیلا کر خاور سے لپٹ گیا تھا۔

“کیا فرشتے زمین پر بھی رہتے ہیں۔ میں امی سے یہی پوچھتا رہتا ہوں۔” اس نے کہا۔ پھر چونک کر نگین سے بولا۔ “آپ کیسی ہیں نگین؟”

“ٹھیک ہوں۔ آپ کو اپنی امی کے مل جانے کی مبارکباد دینے آئی ہوں۔” نگین نے کہا۔

“آپ لوگوں کو دیکھ کر، دنیا کی خوبصورتی کا احساس ہوتا ہے۔” شمیل نے کہا۔

“ارے واہ۔ آپ تو بہت اچھا بول لیتے ہیں۔” نگین ہنس کر بولی۔

“میں نہیں بول رہا، میرے جذبات لفظ بن رہے ہیں۔” شمیل نے کہا۔

“اب مجھے بھی حیرت ہورہی ہے۔ شمیل تو واقعی بڑا کمال کا بولتا ہے۔” بیگم شمسی ان سے معذرت کرکے کچن میں چلی گئیں اور چائے لے آئیں۔ زاہدہ کے آنے کے بعد طاہر کا ذکر نکل آیا اور زاہدہ نے اس سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔

“سچ یہ ہے کہ مجھے اس سے اس خلوص کی امید نہیں تھی۔ اس نے شمیل کی تمام جائداد اور دولت جلد از جلد اس کے حوالے کرنے کی پیشکش کی ہے، جبکہ میں نے اس سے کہا ہے

کہ وہ اگر چاہے تو سب کچھ یونہی چل سکتا ہے۔''

خاور نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا لیکن وہاں سے واپسی پر اس نے نگین سے کہا۔ ''جو کچھ میرے علم میں آیا ہے، اس کے تحت میرا ذہن کہتا ہے کہ بیگم شمسی کا فیصلہ غلط ہے۔ انہیں طاہر کو کچھ دے دلا کر فارغ کر دینا چاہئے تھا۔''

''کیوں؟'' نگین نے پوچھا۔

''خلاف عقل ہے۔ اتنی دولت اور جائداد کا تنہا وارث رہنے کے بعد اچانک سب کچھ چلا جائے تو کسی پر کیا ردعمل ہوگا۔''

''لیکن اس کی پیشکش؟''

''اس کے پیچھے کچھ ہے۔'' خاور نے کہا۔

یہ لوگ اپنی کوٹھی پہنچے تو انہوں نے طاہر کی کار کوٹھی کے گیٹ سے واپس نکلتے دیکھی۔ ان کے قریب پہنچ کر وہ رکا۔ ''ارے طاہر صاحب، آپ واپس جا رہے ہیں۔''

''ہاں۔'' وہ زہریلے انداز میں ہنسا۔ ''آنٹی کے پاس آیا تھا لیکن وہ نہیں مل سکیں۔ ان کے سر میں درد تھا۔ انہوں نے منع کرا دیا۔ ویسے ان کے سر میں درد پہلی بار ہوا ہے۔ آپ انہیں کسی اچھے ڈاکٹر کو ضرور دکھا لیجئے، چلتا ہوں۔''

''ارے نہیں۔ آیئے۔ اب ہم لوگ آ گئے ہیں، چائے پی کر جایئے۔'' خاور نے کہا۔

طاہر دوبارہ ہنسا اور اس نے کار آگے بڑھا دی۔ خاور نے کار لے جا کر پورچ میں روکی اور دونوں بھائی بہن نیچے اتر آئے۔ ''بڑی غیر اخلاقی حرکت کی ہے اس نے۔ یہ تو سارے روابط ختم کرنے کا انداز تھا۔''

''ہاں...... لیکن امی جان......'' نگین نے کہا۔

''امی جان۔'' خاور گہری سانس لے کر بولا۔

''اس سے قبل امی جان خود اسے گھر آنے کی دعوت دیتی تھیں اور جب وہ آتا تھا تو اس کی خوب خاطر مدارات ہوتی تھی۔ حالانکہ میں اس کی اس بے تکی پذیرائی سے بور ہو جاتی تھی۔ وہ گھنٹوں امی کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔''

''امی کے چہرے کے تاثرات میں نے اسی وقت دیکھ لئے تھے جب ہم نے انہیں یہ بتایا تھا کہ طاہر کی شان و شوکت شمیل کی دولت کی وجہ سے ہے اور اب شمیل واپس آ گیا ہے۔ وہ اسی طرح کی ہیں لیکن میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ یہ شخص قابل اعتماد نہیں ہے اور...... بیگم شمسی اور شمیل کو اس سے ہوشیار رہنا ہوگا۔'' خاور نے پرخیال لہجے میں کہا۔

☆......☆......☆

طاہر چوٹ کھائے ہوئے سانپ کی طرح غضبناک ہو رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان دونوں ماں بیٹوں کو وہ زندہ قبر میں اُتار دے، خوبصورت زندگی گزر رہی تھی۔ سب کچھ میسر تھا، کوئی فکر نہیں تھی، خاص طور سے شمیل کی موت کے بعد تو راستے میں کوئی کانٹا نہیں رہا تھا۔ زاہدہ شمسی کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ایک ہمایوں شمسی کی بیوہ تھی جو اسی قدیم حویلی میں رہتی تھی، ایک بیمار وجود جو کسی بھی طرح قابل توجہ نہیں تھا اور جس سے اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی جو اس کی ماں نہیں تھی۔ حویلی میں دو تین پرانے ملازم تھے جو اس کی دیکھ بھال کرتے تھے لیکن ان کے علاوہ اس نے نادرہ کو بھی وہیں بھیج دیا تھا۔

نادرہ ایک نادان خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ طاہر کی محبت میں اتنی دیوانی تھی کہ اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ طاہر اسے صرف بے وقوف بنا رہا ہے۔ وہ بے کس اور بے سہارا تھی۔ زندگی گزارنے کے لئے نوکری کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی۔ طاہر کو مل گئی۔ نوجوان تھی، خوبصورت تھی طاہر کو اس سے ''ہمدردی'' ہو گئی اور نادرہ کو اس سے ''محبت'' چنانچہ وہ کافی دن تک شہر میں طاہر کے فلیٹ پر رہی اور پھر طاہر نے اسے حویلی بھیج دیا، جہاں اس کی نام نہاد ماں تھی۔ کبھی کبھی وہ نادرہ کو شہر بلا لیتا تھا، اسے شاپنگ کراتا، ہوٹلوں میں کھانا کھلاتا۔ فلیٹ میں اس کی ''دلجوئی'' کرتا، اس سے شادی کے وعدے کرتا اور پھر اسے واپس بھیج دیتا۔

بیگم جلال نے فوراً اپنے ردعمل کا اظہار کر دیا تھا اور طاہر سے ملنے تک سے انکار کر دیا تھا، اس سے طاہر نے اپنا مستقبل دیکھ لیا تھا لیکن وہ ہار نہیں ماننا چاہتا تھا اور مسلسل سوچ رہا تھا۔ اسے یہی بہتر لگا کہ ٹھنڈا کر کے کھائے۔ اسے بہت سے اژدھوں سے لڑنا تھا۔ بیرسٹر احمد کمال، خاور، اور بھی کوئی۔ اس لئے عقل سے کام لینا ضروری تھا۔

اس نے نادرہ کو فون کیا۔ ''کیسی ہو؟''

''تمہاری دیوانی، درشن کی پیاسی۔''

’’ہوں۔ انڈین چینل زیادہ دیکھ رہی ہو آج کل۔‘‘ طاہر نے کہا اور نادرہ ہنس دی! ’’آجاؤ!‘‘ طاہر نے کہا۔

’’ہائے۔ کب؟‘‘

’’کل آجاؤ!‘‘

نادرہ دوسری صبح اس کے پاس پہنچ گئی۔ وہ سچ مچ طاہر کی دیوانی تھی۔ ایک لمحے کے لئے اس سے دور نہیں رہنا چاہتی تھی لیکن طاہر نے بڑی چالاکی سے اسے باور کرایا تھا کہ یہاں رہنا ممکن نہیں ہے۔ اس کے کاروباری دوست یہاں آتے رہتے ہیں اور وہ زیادہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔ نادرہ کو نگین کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا لیکن مسز شمسی اور شمیل کے بارے میں اسے معلوم تھا۔ وہ صرف اس آس پر جی رہی تھی کہ آخرکار طاہر اس سے شادی کرے گا اور وہ عزت سے زندگی گزارے گی لیکن طاہر کے دل میں ایسا کوئی خیال نہیں تھا۔ نادرہ صرف اس کے بستر کا گلاب تھی جو صبح ہونے پر مرجھا جاتا ہے اور اسے کوڑے دان میں پھینک دیا جاتا ہے۔

طاہر نے اپنے منصوبے کے مطابق اسے خوش دلی سے خوش آمدید کہا۔ نادرہ نے شکوہ کیا۔ ’’میں تو سمجھتی تھی کہ تم مجھے لینے بس اڈے پر آؤ گے۔‘‘

’’اوہ نادی، کمبخت گاڑی میں کچھ خرابی ہوگئی تھی۔ اسٹارٹ ہی نہیں ہوئی دیکھو میں نے تمہارے لئے بہترین ناشتہ تیار کرایا ہے۔ آؤ ناشتہ کریں۔‘‘

نادرہ اس کے رویے سے خوش ہوگئی۔ بس میں بیٹھ کر یہاں تک آئی تھی۔ واش روم سے فارغ ہوکر دونوں ناشتہ کرنے لگے۔

ناشتے کے دوران طاہر درد بھرے انداز میں اسے اپنے بارے میں بتانے لگا۔ ’’ہمارا استارہ گردش میں آگیا ہے نادی۔ میں نے تمہارے لئے جن محلوں کے خواب دیکھے تھے وہ خواب ریزہ ریزہ ہوتے جا رہے تھے۔‘‘

’’تم کیوں فکر کرتے ہو طاہر، میں تمہارے ساتھ ایک کمرے کے گھر میں بھی رہ سکتی ہوں۔‘‘ نادرہ نے دردمندی سے کہا اور طاہر نے دل ہی دل میں اسے ڈھیروں گالیاں دے ڈالیں۔

’’لیکن میں غربت میں زندہ نہیں رہ سکتا۔ بہت جلدی میں مرجاؤں گا۔‘‘ طاہر نے روہانسی آواز بنا کر کہا اور نادرہ نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا۔

’’اللہ نہ کرے!‘‘ وہ بولی۔

’’ہم دونوں کو اپنے سنہری مستقبل کے لئے کام کرنا ہوگا۔‘‘

’’میں دل و جان سے تیار ہوں۔‘‘ وہ خلوص سے بولی۔

’’اتنی آسانی سے میں یہ سب ان کے حوالے نہیں کروں گا۔ شمیل واپس آگیا ہے اور چچی جان اب سب کچھ واپس لینے کے لئے تیار ہیں۔‘‘

’’تیار ہیں؟‘‘ نادرہ بولی۔

’’ہاں۔ انا کے غبارے سے ہوا نکل گئی ہے۔ غربت کی زندگی سے اکتا گئی ہیں۔‘‘

’’تمہیں کیسے معلوم؟‘‘

’’ملا تھا میں ان سے۔ بڑی مہربانی سے پیش آئیں۔ شمیل کی تو ابھی حالت ٹھیک نہیں ہے لیکن اس کا رویہ اچھا تھا۔‘‘

’’کوئی بات ہوئی ان سے؟‘‘

’’ہاں۔ میں نے انہیں چھو کر دیکھا تھا۔ پتا چل گیا کہ اب ان کا کیا ارادہ ہے لیکن انہوں نے مجھے پیشکش کی کہ میں ان کے ساتھ ہی رہوں ان کا کتا بن کر......‘‘ وہ سانپ کی طرح پھنکارا...... ’’ان کی جائداد کا منیجر بن کر۔ جن چیزوں کا میں واحد مالک تھا اب صرف ان کا نگراں بن کر رہوں، وہ مجھے خیرات دینا چاہتی ہیں۔‘‘

نادرہ کی آنکھوں میں غم کے تاثرات نظر آنے لگے۔ ’’اب کیا ہوگا؟‘‘ اس نے کہا۔

طاہر بھیانک انداز میں مسکرایا پھر بولا۔ ’’میرا نام طاہر ہے، صرف طاہر، میں ہمایوں شمسی کا لے پالک ہوں، اس کا خون نہیں۔ میرا باپ کون تھا، میں نہیں جانتا لیکن جو بھی ہوگا معمول آدمی نہیں ہوگا۔ کیونکہ میں بھی معمولی نہیں ہوں۔ وہ کھیل کھیلوں گا کہ بیرسٹر احمد کمال، بیگم زاہدہ شمسی اور مسز جلال الدین ہاتھ ملتی رہ جائیں گی۔‘‘

’’مسز جلال الدین کون ہیں؟‘‘ نادرہ نے فوراً پوچھا۔

’’وہ مسز...... جلال الدین......‘‘ طاہر کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ وہ جلدی سے بولا۔ ’’بیرسٹر احمد کمال کی بہن ہیں اور مسز شمسی کی ہمدرد۔ خیر چھوڑو۔ میں ایک کھیل کا آغاز کر رہا ہوں۔ یہ کھیل ہماری اس قدیم حویلی میں ہی کھیلا جائے گا جہاں اس سے پہلے بھی دوسرے کھیل کھیلے جاتے رہے ہیں اور اس کھیل میں تمہارا کردار بہت اہم ہوگا کیونکہ اب تم اس حویلی کے چپے چپے سے واقف ہو۔‘‘

معصوم سی نادرہ کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں گردن ہلانے لگی۔

(جاری ہے)

اشارہ

قسط : 2

طاہر کے چہرے پر جرم کے سائے لرز رہے تھے۔ اس میں آنکھوں کی سرخی تھی، کھو جانے کا احساس تھا۔ اس کے پیار میں ڈوبی نادرہ نے اس کے ہاتھ کو چھوتے ہوئے کہا۔ ”کوئی ایسا

عمل نہ کرنا طاہر جس سے تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے۔ میری زندگی میں اب تمہارے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں تمہارے لئے جی رہی ہوں، مجھے دھن دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میری زندگی میں تم شامل ہو جاؤ، بس میرے لئے سب سے بڑی دولت یہی ہے۔"

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔" طاہر نے اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہا لیکن اس نے نادرہ کے الفاظ پر بالکل غور نہیں کیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں نگین کا خوبصورت چہرہ آیا۔ کہاں نادرہ، کہاں نگین!

دوسری طرف بیگم جلال کو شمیل اور زاہدہ بیگم سے بڑی ہمدردی ہو گئی تھی۔ وہ خصوصی طور پر خاور کے ساتھ زاہدہ کے گھر گئی تھیں۔ اس چھوٹے سے گھر میں جس میں عام حالات میں وہ قدم رکھنا بھی پسند نہ کرتیں، انہیں زمانے بھر کی خوبیاں نظر آئی تھیں اور انہوں نے زاہدہ بیگم کے سلیقے کی خوب تعریف کی تھی۔ انہوں نے کہا تھا۔ "میں تو اپنی اس نیکی کو یاد کرنے کی کوشش کرتی ہوں جس کے عوض آپ جیسی خاتون اور خاور جیسا محسن مجھے ملا جس نے میری زندگی روشن کر دی، میرا بیٹا مجھے دے دیا۔ آپ کا احسان تو موت کے بعد بھی نہ بھول سکوں گی۔"

بیگم جلال نے باقاعدہ زاہدہ بیگم سے ملنا جلنا شروع کر دیا، اب اکثر نگین بھی ساتھ ہوتی تھی۔ نگین، شمیل کے پاس جا بیٹھتی، اس سے باتیں کرتی۔ اس نے شمیل کی وارفتگی محسوس کر لی تھی۔ خود وہ بھی آرزو کرتی کہ بیگم جلال، زاہدہ بیگم کی طرف جانے کی بات کریں۔ اس کی آنکھوں میں اس وقت شمیل کے لئے پسندیدگی کے تاثرات ابھرے تھے، جب اس نے شمیل کو پہلی بار ایئرپورٹ پر دیکھا تھا۔ اسے یہ نازک نازک سا آرٹسٹک انداز کا نوجوان پسند آیا تھا جس کا رنگ کاغذ کی طرح سفید ہو رہا تھا، ہونٹ خشک اور آنکھیں سوئی سوئی سی تھیں لیکن اب اس کے چہرے پر سرخی آ گئی تھی اور آنکھیں جاگ گئی تھیں اور ان جاگتی آنکھوں میں نگین نے خود کو دیکھا تھا وہ شمیل کی آنکھوں کی مکین بن گئی تھی اور شاید اس کے دل کی بھی......!

طاہر سے اس کی دوستی تھی۔ وہ رات کو گیارہ بجے کے بعد بلاناغہ سیل پر باتیں کرتے تھے۔ طاہر اس سے عشق جھاڑتا لیکن نگین نے کبھی اس کی پذیرائی نہیں کی تھی۔ وہ صاف کہتی تھی کہ وہ طاہر کو دوست سمجھتی ہے بس! اس سے آگے اس نے کبھی نہیں سوچا نہ ہی اس کی زندگی میں کوئی اور ہے۔ اگر وہ کسی سے متاثر ہوئی تو طاہر کو ایک دوست کی حیثیت سے ضرور بتائے گی لیکن طاہر نے اب اس سے سیل پر بات کرنا بھی چھوڑ دیا تھا اور اس نے خدا کا شکر ادا کیا تھا۔

رات کے وہ لمحات اب شمیل کے بارے میں سوچتے ہوئے گزرتے تھے۔ اس نے شمیل سے کئی بار اس کی زندگی کے ان کھوئے ہوئے لمحات کے بارے میں پوچھا تھا۔ شمیل الجھ جاتا تھا۔ اس نے بس اتنا بتایا تھا کہ وہ سمندری جہاز سے سفر کر رہا تھا، جہاں اسے کچھ لوگ ملے۔ انہوں نے اس کا مستقبل بنانے کا وعدہ کیا اور وہ ان کا احسان مند ہو گیا، پھر ایک رات وہ ان کے ساتھ کافی پی کر اٹھا تھا اور بس......! اس کے بعد اسے کچھ یاد نہیں۔ پتا نہیں کتنا عرصہ خود سے دور رہا، بس اس کے بعد اس وقت جاگا جب اسے اس کی ماں کی آواز سنائی دی، اس کا چہرہ نظر آیا۔

اس دن جب خاور کی کار زاہدہ بیگم کے گھر کے سامنے رکی تو انہوں نے طاہر کی کار وہاں کھڑے دیکھی۔ بیگم جلال نے بھی اس کی کار پہچان لی۔

"شاید طاہر آیا ہے۔" بیگم جلال نے کسی قدر ناخوشگواری سے کہا۔

"ہاں...... وہ باہر آ رہا ہے۔" خاور نے طاہر کو آتے دیکھ کر کہا۔ اس دوران یہ تینوں نیچے اتر آئے تھے۔ طاہر نے بھی انہیں دیکھ لیا اور پھیکے سے انداز میں مسکراتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

"السلام علیکم چچی جان! ہیلو خاور بھائی!"

"آپ واپس جا رہے ہیں؟"

"ہاں! چچی جان کے پاس آیا تھا۔"

"ہماری طرف تو آپ نے آنا ہی چھوڑ دیا۔"

"بس کچھ مصروفیتیں ہیں۔ کسی وقت حاضری دوں گا۔ اچھا اللہ حافظ!" اس نے کہا اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ بیگم جلال یا نگین نے اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ خاور سے نہ رہا گیا تو اس نے کہا۔ "آپ لوگوں کا رویہ بہت غیر اخلاقی رہا اس کے ساتھ...... امی! آپ نے تو اس کے سلام کا جواب تک نہیں دیا۔"

"اس کی وجہ ہے خاور! میں اسے اچھا انسان سمجھتی تھی لیکن جج صاحب کی موت پھر شمیل کے بارے میں جو ہوا، اسے سن کر طاہر کو بیگم زاہدہ کی مدد کرنی چاہئے تھی۔ اس نے اس دولت پر قبضہ جما کر جو اس کی اپنی کسی طور نہیں تھی، ایک برے انسان ہونے کا ثبوت دیا۔ مجھے اس سے نفرت ہو گئی۔"

"پھر بھی وہ اتنے عرصے آپ کا منظور نظر رہا ہے۔"

"بس میں اسی طرح کی انسان ہوں۔" بیگم جلال نے جواب دیا۔

زاہدہ بیگم اور شمیل نے ہمیشہ کی طرح ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا اور ان کی آمد سے بہت خوش ہوئے تھے۔ بہت سی باتیں ہوئیں پھر بالکل اتفاق سے بیرسٹر احمد کمال بھی آ گئے۔

''بھئی واہ! دلچسپ اتفاق ہے۔ میں دو پروگرام بنا کر نکلا تھا کہ یہاں سے میں آپ لوگوں کے پاس جاؤں گا، آج کورٹ بند ہے۔'' احمد کمال نے بیگم جلال سے کہا۔

''آپ یہاں سے ہمارے ساتھ ہی چلئے بھائی جان!'' بیگم جلال نے کہا۔

''اب تو ملاقات ہوگئی ہے۔'' احمد کمال بولے۔

چائے کے دوران زاہدہ بیگم نے کہا۔ ''تھوڑی دیر پہلے طاہر آیا تھا، بڑا ہی سعادت مند اور پرخلوص بچہ ہے۔''

''ایں......!'' بیرسٹر کمال کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''بے لوث، بے غرض، محبت کرنے والا......؟''

''یہ آپ کہہ رہی ہیں بھابی جان!'' احمد کمال بولے۔

''بس صبح کا بھولا شام کو گھر آ جائے تو اسے معاف کر دینے میں حرج نہیں ہے۔ بھائی پر جان دیتا ہے، اتنا فکر مند ہے شمیل کی صحت کی وجہ سے سگا بھائی بھی نہیں ہوسکتا۔ مجھ سے اپنی کوتاہی کی اتنی معافی مانگتا ہے کہ اب مجھے شرمندگی ہونے لگی ہے۔ میرا دل اس کی طرف سے صاف ہوگیا ہے۔ وہ مجھے پائی پائی کا حساب دینا چاہتا تھا لیکن میں نے اسے منع کر دیا اور کہا کہ جو کام جیسے چل رہا ہے، چلنے دیا جائے۔ میرا بچہ صحت مند ہو جائے تو خود معاملات سنبھال لے گا۔ بہت دن سے وہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے کہ میں حویلی چل کر رہوں، وہاں کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔ شمیل کی صحت پر بہت اچھا اثر پڑے گا۔ آج بھی یہی ضد کر رہا تھا۔ میں نے مجبور ہو کر ہاں کر دی ہے۔''

''اوہ! گویا آپ حویلی چلی جائیں گی؟'' بیرسٹر احمد کمال نے پرتشویش لہجے میں کہا۔

زاہدہ بیگم نے زندگی میں بہت دکھ اٹھائے تھے۔ وہ سادہ لوح اور پرخلوص خاتون تھیں، سب کچھ ختم ہوگیا تھا۔ صبر و شکر سے موت کا انتظار کر رہی تھیں کہ شمیل زندگی لے کر آ گیا اور وہ اس عطا پر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوگئیں۔ دولت اور جائداد کو انہوں نے کبھی اہمیت نہیں دی تھی۔ بیگم جلال اور خاور کو وہ بہت بڑا مقام دیتی تھیں، جنہوں نے انہیں نئی زندگی دی تھی۔ ادھر ان کا سادہ دل طاہر کے چکنے چپڑے عمل سے بالکل صاف ہوگیا تھا۔ یہی کیفیت شمیل کی تھی۔ وہ بھی طاہر پر بہت اعتماد کرنے لگا تھا۔ ادھر اس کے دل میں نگین کی تصویر اترتی جا رہی تھی اور وہ اس کے خواب دیکھنے لگا تھا۔

بیگم جلال نے بیرسٹر صاحب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''لگتا ہے بھائی صاحب! آپ کو زاہدہ بہن کا حویلی جانا پسند نہیں ہے۔''

''میری پسند ناپسند کا سوال نہیں ہے۔ وہ ایک خود غرض شخص ہے، اصولی طور پر اسے مفت میں مل جانے والی جائداد میں سے زاہدہ بہن کی مدد کرنی چاہئے تھی۔''

''غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے سر! میرا پھر بھی اس سے رشتہ ہے اور پھر کسی سے سب کچھ چھین کر اسے سڑکوں پر لے آنا بھی تو انسانیت نہیں ہے۔'' شمیل نے کہا۔

بیرسٹر صاحب خاموش ہوگئے، پھر انہوں نے کہا۔ ''اچھا میں چلتا ہوں، شمیل کی حالت کافی بہتر ہے، اسے کچھ کاغذات پر دستخط کرنے ہیں۔'' بیرسٹر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے۔ نگین اور بیگم جلال نے بھی واپسی کی اجازت مانگ لی۔

ان کے جانے کے بعد شمیل نے کہا۔ ''میں بیرسٹر صاحب کی باتوں سے متفق نہیں ہوں امی! انہیں ہمارے ذاتی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔''

''نہیں شمیل! تمہارے ابو کی موت اور تمہاری جدائی کے بعد انہوں نے ہی میرا خیال رکھا ہے، ورنہ میری خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں تھا۔''

''لیکن میں طاہر کو اپنا بھائی سمجھتا ہوں اور باہر کا کوئی شخص میرے لئے اس سے زیادہ نہیں ہوسکتا۔''

☆......☆......☆

تین دن تیاریوں میں لگے۔ چوتھے دن طاہر انہیں لے کر حویلی چل پڑا۔ جس وقت وہ اس حویلی میں داخل ہوئے، شام کا دھندلکا پھیل چکا تھا۔ بیگم زاہدہ شمسی نے اس عالیشان حویلی کو غور سے دیکھا جو اب بلاشرکت غیرے ان کے بیٹے کی ملکیت تھی لیکن نہ جانے کیوں ان کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔ انہیں کسی قدر خوف کا احساس ہوا تھا۔ حویلی پر سکوت تھی، ایک عجیب سی خاموشی کی حامل! جیسے کچھ کہہ رہی ہو، بے آواز، جیسے اس کے در و دیوار سرگوشیاں کر رہے ہوں۔

سامنے کچھ ملازم کھڑے تھے، جن میں سے کچھ قدیم تھے اور کچھ وہ جن کا بندوبست طاہر نے کیا تھا۔ انہی میں نادرہ بھی تھی جو عجیب سی نظروں سے آنے والوں کو دیکھ رہی تھی۔

طاہر نے خصوصی طور پر اس کا تعارف کرایا۔ ''یہ نادرہ ہے چچی جان! اس حویلی کا تمام انتظام اس نے ہی سنبھالا ہوا ہے۔ امی کی بھی یہی دیکھ بھال کرتی ہے۔'' طاہر نے ہمایوں شمسی کی معذور بیوی کے بارے میں بتایا۔

نادرہ نے زاہدہ بیگم کو ادب سے سلام کیا اور بولی۔ ''میں آپ کی بہترین نگہداشت کروں گی بیگم صاحبہ!''

”جیتی رہو بیٹی!“

”شمیل صاحب کے لئے اوپر کا کمرہ تیار کیا گیا ہے۔“

”آیئے چلیں۔“ سب لوگ اوپر چل پڑے۔ ایک راہداری میں کچھ دور چل کر وہ ایک بڑے ہال میں داخل ہوئے۔ ہال کا دروازہ کھلا ہی تھا کہ ایک قد آدم تصویر جو انتہائی وزنی پیتل کے فریم میں تھی، بلندی سے نیچے گری اور سب ٹھٹھک گئے۔ اگر یہ لوگ چند قدم اور آگے بڑھ گئے ہوتے تو تصویر شمیل پر گری ہوتی۔ زاہدہ بیگم نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ تیمور شمسی کی تصویر تھی۔

”ہال میں دوسری تصویریں بھی تھیں، پھر یہی تصویر کیوں گری۔“ طاہر نے نہایت برہمی سے ساتھ آنے والے ملازم وحید سے باز پرس کی کہ یہ تصویر کیسے گری۔

”اس کی ڈوری ٹوٹی ہے سر جی! کبھی غور نہیں ہوا اس پر کہ ڈوریاں پرانی ہوگئی ہیں۔“

”تمام تصویروں کی ڈوریاں بدلواؤ۔“

”جی سر......!“ وحید نے جواب دیا۔ نادرہ نے معنی خیز نظروں سے طاہر کو دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

”ان لوگوں کا شہر چھوڑ کر حویلی میں منتقل ہو جانا میرے نزدیک اچھا نہیں ہے۔“ بیگم جلال نے نگین سے کہا۔

”ہاں! ایک طرح سے ہم ان سے دور ہوگئے۔“ نگین نے افسردگی سے کہا۔

”اس کے علاوہ مجھے طاہر پر بھروسہ نہیں ہے۔ وہ قلاش ہوگیا ہے، اس کی حالت اچھی تو نہیں ہوگی جبکہ وہ معصوم سا لڑکا اپنی ماں کی طرح سادہ لوح معلوم ہوتا ہے، اس کے علاوہ ابھی وہ مکمل طور پر صحت یاب بھی نہیں ہے۔ ویسے تمہیں اس سے فون پر رابطہ رکھنا چاہئے۔“

”جی! آپ سے اجازت نہیں لی تھی۔“ نگین نے جواب دیا۔

بیگم جلال کچھ سوچنے لگیں پھر بولیں۔ ”میں ایک بات اور سوچ رہی ہوں کیوں نہ تم کچھ عرصہ وہیں جا کر رہو۔“

”حویلی میں......؟“ نگین حیرت سے بولی۔

”ہاں! جو کچھ ہمارے دل میں ہے، ممکن ہے ان کے دل میں نہ ہو۔ اگر ان کے دل میں نہیں ہے تو پیدا کرو۔“

”کیا......!“ نگین کا دل خوشی سے دھڑکا تھا۔ اس کے رخسار سرخ ہوگئے تھے۔

”میں شمیل سے تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔ کمال بھائی سے مجھے ان کی دولت کی تفصیل معلوم ہو چکی ہے، بہت بڑے لوگ ہیں اور پھر شمیل کتنا خوبصورت اور سیدھی، سچی فطرت کا مالک ہے۔ اس سے اچھا لڑکا کبھی نہیں مل سکتا۔“

”خاور بھائی اجازت دیں گے؟“

”اس سے میں بات کرلوں گی۔“

”وہاں جانے کا جواز کیا ہوگا؟“ نگین نے کہا۔

”وہ بھی میں پیدا کرلوں گی۔“

خاور، نگین اور بیگم جلال حویلی دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے۔ زاہدہ شمسی اور شمیل نے ان کا والہانہ استقبال کیا تھا۔

”بہت عالیشان حویلی ہے، محل لگتی ہے پوری، آپ لوگوں کا یہاں دل لگ گیا؟“

”اس سے شمسی صاحب کی یادیں وابستہ ہیں اور پھر میں شمیل کی صحت میں نمایاں تبدیلی محسوس کر رہی ہوں۔ یہاں کی آب و ہوا واقعی بہت اچھی ہے۔“

”مگر ہم لوگ بڑا عجیب محسوس کر رہے ہیں۔“

”ارے کیوں......؟“

”بس جس تیزی سے ہم قریب آگئے تھے، اس میں فاصلے فاصلے لگنے لگے ہیں۔“

”نہیں بہن! آپ میرے لئے سگی بہنوں سے بڑھ کر ہیں، خاور اور نگین مجھے اپنے شمیل کی طرح لگتے ہیں اور خاور وہ تو میرے لئے دعا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ زندگی دی ہے انہوں

نے ہم ماں، بیٹے کو۔‘‘ زاہدہ ممونیت سے بولیں۔

‘‘میں بھی صاحب اولاد ہوں، آپ کو آپ کا شمیل مل گیا۔ جتنی خوشی آپ کو ہے، اتنی ہی مجھے بھی ہے۔’’

‘‘میرا رواں رواں آپ کا احسان مند ہے۔’’

‘‘یہ حویلی کافی قدیم ہے چچی جان! آپ یقین کریں، میں نے ایسی عمارتیں اکثر خوابوں میں دیکھی ہیں۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ یہ میرے خوابوں جیسی ہے، یہاں کا تو ماحول بالکل الگ ہے۔’’ نگین نے حیران سے لہجے میں کہا۔

‘‘اگر تمہاری امی اجازت دیں تو تم کچھ عرصہ یہیں رک جاؤ۔’’ زاہدہ بیگم نے بیگم جلال کے دل کی بات کہہ دی۔

‘‘لو...... میری اجازت کی کیا ضرورت ہے، آپ اس کی کچھ نہیں ہیں۔ آپ حکم دیں گی تو مجال ہے میں انکار کردوں۔’’ بیگم جلال نے کہا اور سادہ لوح زاہدہ بیگم خوش ہوگئیں۔ بیگم جلال نے بات پکی کرتے ہوئے کہا۔ ‘‘میں خاور کے ہاتھ تمہارے کپڑے اور ضروری چیزیں بھیج دوں گی۔’’

خاور اور بیگم جلال گئے ہی تھے کہ طاہر آگیا۔ اس وقت زاہدہ بیگم، نگین کے ساتھ باہر ہی تھیں۔ شمیل بھی خاور کو کار تک چھوڑنے آیا تھا لیکن وہ اندر چلا گیا تھا۔ طاہر اپنی کار سے اترا اور زاہدہ بیگم کے ساتھ نگین کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ پھر ایک دم آگے بڑھ کر بولا۔ ‘‘ماشاءاللہ...... ماشاءاللہ! یہ ویرانے میں چاند کیسے نکل آیا۔’’

‘‘غلط...... ویرانوں میں چاند نہیں درندے نکلتے ہیں۔’’

‘‘اور کون ساتھ آیا ہے؟’’ طاہر نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

‘‘امی اور خاور بھائی آئے تھے، چلے گئے۔’’

‘‘اور تمہیں چھوڑ گئے؟’’ طاہر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

‘‘آؤ اندر چلو۔’’ بیگم زاہدہ نے کہا۔

‘‘آپ چلیں چچی جان! ہم آتے ہیں۔’’ طاہر جلدی سے بولا اور بیگم زاہدہ اندر چل پڑیں۔

‘‘عجیب لگ رہا ہے تمہیں یہاں دیکھ کر۔’’ طاہر نے اداسی سے کہا۔

‘‘کیوں......؟’’ نگین بولی۔

‘‘میں نے کچھ اور ہی خواب دیکھے تھے۔’’

‘‘کیسے خواب......؟’’

‘‘یہی کہ میں تمہیں دلہن بنا کر اس حویلی میں لایا ہوں، کسی فاتح کی طرح شان سے سینہ تان کر لیکن اب یہ حویلی میری رہی اور نہ تم......!’’

‘‘خوابوں کی تعبیر ہمیشہ الٹی ہوتی ہے۔ ویسے بھی خواب بدہضمی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ یہ حویلی اگر تمہاری ہی رہتی تب بھی تم سے کس نے کہہ دیا کہ تم مجھے فتح کر کے اس حویلی میں لاتے؟’’ نگین کا لہجہ ناخوشگوار ہوگیا۔

‘‘خواب اپنے اختیار میں تو نہیں ہوتے۔’’ وہ بولا پھر ایک دم موڈ بدل کر کہنے لگا۔ ‘‘شمیل کہاں ہے؟’’

‘‘اندر ہیں، آئیں چلیں۔’’ نگین نے کہا۔ اسی وقت سامنے سے نادرہ آتی نظر آئی۔ وہ ان دونوں کو ساتھ دیکھ کر ایک لمحے کے لئے ٹھٹھکی پھر رخ بدل کر دوسری طرف نکل گئی۔

‘‘یہ لڑکی واقعی ملازمہ ہے؟’’ نگین نے کہا۔

‘‘کیوں......؟’’

‘‘اتنی خوبصورت ملازمہ......!’’ نگین نے کہا۔ لیکن طاہر نے دور سے ہی نادرہ کے لال بھبھوکا چہرے کو دیکھ لیا تھا اور کسی قدر پریشان ہوگیا۔ آگے کے کھیل کے لئے نادرہ ایک اہم مہرہ تھی۔ کچھ وقت ان لوگوں کے ساتھ گزارنے کے بعد وہ باہر نکل آیا۔

اس کے سینے میں نفرت کی آگ سلگ رہی تھی۔ نگین اور زاہدہ بیگم کی محبت اسے زہر لگ رہی تھی اور پھر نگین کا اس طرح یہاں رک جانا بڑا معنی خیز تھا۔ بے وقوف بھی نہیں تھا۔ مسز جلال کی فطرت کا بھی اسے اندازہ تھا کہ وہ دولت پسند ہیں اور اب وہ ایک قلاش نوجوان......!

اپنی کار کی طرف جا رہا تھا کہ نادرہ پھولوں کے ایک کنج کے عقب سے نکل آئی۔

"جارہے تھے؟" وہ زہر خندے بولی۔

"ایک بہت ضروری کال آگئی ہے۔" طاہر نے کہا۔

"مجھ سے ملنا بھی گوارہ نہیں کیا؟"

"تم سے دور کب ہوں، کسی بھی وقت مل سکتا ہوں۔"

"یہ لڑکی کون ہے؟"

"تمہیں بتا چکا ہوں اس بارے میں!"

"مگر یہ نہیں بتایا کہ یہ تم سے اس قدر قریب ہے۔"

"کتنی قریب ہے، اس کے بارے میں تمہیں بہت جلد اندازہ ہوجائے گا۔ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے یہ زاہدہ بیگم کی ہونے والی بہو ہے۔"

"کیا مطلب......؟" نادرہ چونک پڑی۔

"آنکھیں کھلی رکھوگی تو خود پتا چل جائے گا بلکہ تم مجھے بتاؤ گی کہ نگین اور شمیل کے درمیان کیا چل رہا ہے۔"

"سچ کہہ رہے ہو؟" نادرہ نے کہا۔

"کیا تم ان حالات میں مجھے پریشان کروگی؟"

"نہیں۔" نادرہ مسکرادی۔

☆......☆......☆

ایک ہفتہ گزر گیا۔ نگین کی زندگی کے حسین ترین دن تھے۔ خوابوں جیسے پر سحر ماحول والی عالیشان حویلی جس کی غلام گردشوں سے گزرتے ہوئے کسی قدیم شہزادی جیسے بانکپن کا احساس ہوتا تھا۔

پھر بیگم زاہدہ کی بے پناہ محبت جو کہتی تھیں کہ قدرت نے انہیں اچانک مالا مال کردیا ہے۔ جس بیٹے کی زندگی کی امید ختم ہوگئی تھی، وہ واپس آگیا اور نگین جیسی بیٹی مل گئی۔

اور اس کے ساتھ وہ محبت جو بادِ نسیم کی طرح دل کے باغیچے میں اٹھکھیلیاں کرتی آگئی تھی اور نگین کے دل میں گلاب مہک اٹھے تھے، ویرانے میں چپکے سے بہار آگئی تھی۔ شمیل کے ہر انداز سے والہانہ پن ٹپکنے لگا تھا۔ عہد و پیمان کے بغیر دونوں پیار کے بندھن میں بندھ گئے تھے۔ نگین ایک لمحے کے لئے شمیل سے دور ہوجاتی تو شمیل کی آنکھیں اسے تلاش کرتی محسوس ہوتی تھیں۔

زاہدہ بیگم جہاندیدہ تھیں۔ ان دونوں کو یکجا دیکھ کر ان کی آنکھوں میں نور اترتا تھا۔ نگین اس طرح شمیل کی دیکھ بھال کرتی تھی جیسے یہ اس کی سب سے اہم ذمہ داری ہو۔

اس دن موسم بہت خوشگوار تھا۔ آسمان گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ نگین اور شمیل حویلی کے عقبی لان میں چہل قدمی کررہے تھے۔ دونوں خاموش تھے لیکن یہ خاموشی بول رہی تھی، جذبات کی لہریں دل سے دل تک سفر کررہی تھیں۔

شمیل نے نگاہیں اٹھا کر نگین کو دیکھا۔ یوں لگا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ نگین بے اختیار اس کی طرف جھک گئی۔ اسے یوں لگا جیسے شمیل کی خاموشی ٹوٹنے کو ہو۔ دل کچھ بھی کہہ دے، پیار میں زبان کا مقام الگ ہی ہوتا ہے۔ کان کچھ سننا چاہتے ہیں، وہ جو دل پر تحریر ہوجائے۔

"ہوں!" نگین نے لرزتی آواز میں کہا۔ وہ بے چین ہورہی تھی۔ شمیل جلدی سے کہہ دے، جلدی سے......! شمیل کچھ نہ بولا تو اس نے بے صبری سے کہا۔ "کیا بات ہے شمیل! خاموش کیوں ہوگئے؟"

"کافی......کافی پینے کو دل چاہ رہا ہے۔" شمیل نے کہا۔

نگین حیران رہ گئی۔ اسے ایک دم غصہ آیا تھا۔ اس نے شمیل کو گھورا۔ شمیل شوخی سے مسکرا رہا تھا۔ اسے مسکراتے دیکھ کر نگین کو اس کی شرارت کا اندازہ ہوا تو وہ بھی مسکرادی۔

"لاتی ہوں۔" اس نے رخ بدلتے ہوئے کہا۔

"ارے......آپ نہیں نگین! میرا مطلب ہے کہ ملازم سے کہہ دیں۔"

"جی نہیں! میں خود بنا کر لاؤں گی اور خوب دیر میں آؤں گی۔" نگین نے مصنوعی غصے سے کہا۔

”ارے نہیں۔“ شمیل جلدی سے بولا لیکن نگین اندر چل پڑی تھی۔ شمیل مسکراتی نظروں سے اسے جاتے دیکھتا رہا یہاں تک کہ نگین اندر عمارت میں داخل ہوگئی۔

وہ آگے بڑھ کر ایک بنچ پر بیٹھ گیا۔ یہ بنچ پھولوں کے ایک کنج کے پاس تھی۔ ایک منٹ بھی نہیں گزرا تھا اسے بیٹھے ہوئے کہ کنج کے عقب میں سرسراہٹ سی ابھری۔ شمیل نے چونک کر ادھر دیکھا۔ دوسری طرف سے نادرہ باہر آگئی۔

”آپ تنہا بیٹھے ہیں سر......!“

”ایں ہاں! وہ نگین کافی لینے گئی ہیں۔“

”ارے......وہ کیوں گئی ہیں، یہ تو میرا کام تھا، آپ مجھ سے کہتے سر!“ نادرہ نے کہا۔

”آپ سے......؟“ شمیل نے اس کے حسین چہرے کو دیکھ کر کہا۔

”جی سر! آپ کی خادمہ ہوں۔“ نادرہ اداسی سے بولی۔

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں نادرہ! آپ ہماری ساتھی ہیں، آپ کو خادمہ کون کہہ سکتا ہے۔“

”بس سر! نصیب اسی کو کہتے ہیں۔ آپ جیسے اچھے لوگ شاذ و نادر ہی نظر آتے ہیں اور نظر آتے ہیں تو......!“ اس نے رک کر گہری سانس لی پھر بولی۔ ”اتنی دور ہوتے ہیں کہ درمیان میں بہت طویل فاصلہ محسوس ہوتا ہے۔“ وہ رکی پھر بولی۔ ”اللہ آپ کی اور نگین کی جوڑی سلامت رکھے۔“

شمیل کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔ وہ کچھ نہ بول سکا۔ اسی وقت نگین اور زاہدہ بیگم آتی نظر آئیں۔ نگین ہاتھوں میں کافی کی ٹرے اٹھائے ہوئے تھی۔ دونوں کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔ نادرہ تیزی سے آگے بڑھی۔ اس نے کافی کی ٹرے نگین کے ہاتھوں سے لینی چاہی تو نگین نے ہنس کر کہا۔ ”نہیں نادی! مجھے کافی لانے کا حکم ملا ہے، تعمیل کرنے دو۔“ نگین نے یہ جملے خوشگوار موڈ میں کہے تھے۔ اسے نادرہ کے شمیل کے پاس ہونے کا کوئی غلط احساس نہیں ہوا تھا لیکن زاہدہ بیگم کو یہ اچھا نہیں لگا تھا۔ دوسری طرف نادرہ کی آنکھوں میں سلگتی آگ کو کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

☆......☆......☆

شمیل اپنے کمرے میں تنہا بیٹھا سوچ رہا تھا۔ اسے اپنے ماضی کے بارے میں سوچتے ہوئے ہمیشہ وحشت ہوتی تھی۔ وہ ایک عزم کے ساتھ بڑی جدوجہد کر کے ملک سے باہر جانے کے لئے نکلا تھا۔ ایک سمندری جہاز سے سفر کر رہا تھا۔ جہاز میں اسے کچھ لوگ ملے جنہوں نے اس سے اس کا مستقبل بنانے کا وعدہ کیا اور بس......! اس کے بعد تاریکی تھی۔ کچھ مٹے مٹے سے نقوش اس کے ذہن کے پردوں سے ٹکراتے تھے۔ اذیت خانے، ہتھکڑیاں، جیل کی سلاخیں بس......! اس کے بدن پر لرزشیں طاری ہو جاتی تھیں۔ سب کچھ ذہن سے محو ہو گیا تھا۔ اپنا نام بھی! پتا نہیں کہاں خاور ملا، اس نے اسے فاروق کہا، اس نے خود کو فاروق سمجھ لیا۔

ہاں! اس دن اس نے ماں کی چیخ سنی اور اسے پہچان لیا۔ اسے ماں یاد آگئی، پھر گھر یاد آگیا پھر سب یاد آگئے پھر نگین ملی اور نگین نے سب کچھ ٹھیک کر دیا۔ اس کے اندر نگین کا پیار جاگ رہا تھا۔ اس کی دوسری حسیں بھی جاگ گئیں۔ اسے پتا چل گیا کہ نگین بھی اسے چاہتی ہے۔ اسے یہ بھی پتا چل گیا کہ زاہدہ بیگم دونوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہیں۔ خوشیاں ہی خوشیاں اور یہ خوشیاں اس کی صحت پر بھی اثر انداز ہو رہی تھیں۔

”کیا سوچ رہے ہو شمیل!“

”میرے پاس نگین کے علاوہ سوچنے کے لئے اور کیا ہے۔“

”زبردست! اب شاعری بھی شروع ہوگئی۔“ نگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں نے کبھی شاعری نہیں کی بس اشعار سنے ہیں لیکن اب اندازہ ہو رہا ہے کہ شاعر کی غزل اس کی محبوب ہوتی ہے بلکہ محبوبہ کا دوسرا نام غزل ہوتا ہے۔“

”ارے باپ رے......یوں لگتا ہے جیسے سوتے سے جاگ گئے ہوں۔“

”جگانے والی تم ہی تو ہو نگین!“ شمیل نے کہا۔

”مان گئے بابا! مان گئے، ایک خوشخبری سناؤں؟“ نگین نے کہا۔

”ہاں! سناؤ۔“

”امی نے مجھ سے فون پر بات کی تھی۔“

"کیا......؟"

"پوچھ رہی تھیں کیا پروگرام ہے، کب آؤ گی۔"

"تو پھر......!" شمیل نے بے تابی سے پوچھا۔

"میں نے کہا...... کبھی نہیں۔" نگین نے کہا اور اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

شمیل پیار بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ "پھر کیا بولیں چچی جان!"

"کہنے لگیں چچی جان سے بات کریں گی، دونوں کے بارے میں!" نگین بمشکل بولی اور شمیل نے وفور مسرت سے نگین کے دونوں ہاتھ پکڑ لئے۔ نگین کے پورے جسم میں سنسنی پھیل گئی تھی۔ شمیل ایک معقول نوجوان تھا لیکن نگین کے ہاتھوں کے لمس نے اسے اتنا بے خود کر دیا کہ اس نے نگین کو اپنے قریب کر لیا اور نگین کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔

دور اوپری منزل کے ایک کمرے کی کھڑکی میں کھڑے طاہر کی آنکھوں میں نفرت کی سرخی ابھر آئی اور قریب کھڑی نادرہ مسکرا دی۔

"تمہیں برا لگ رہا ہے؟" وہ معنی خیز لہجے میں بولی اور طاہر نے اسے گھور کر دیکھا اور بولا۔ "ہاں!"

"کیوں......؟"

"اس لئے کہ وہ رنگ رلیاں منا رہے ہیں، ایک دوسرے کے قریب ہوتے جا رہے ہیں اور تم آرام کر رہی ہو۔"

"کمال کرتے ہو، میرے پاس جادو کی چھڑی تو نہیں ہے کہ پلک جھپکتے سب ٹھیک کر لوں، وقت لگے گا لیکن میں کچھ اور محسوس کر رہی ہوں۔"

"کیا......؟"

"یہی کہ اس لڑکی کی شمیل سے قربت تمہیں ناگوار گزر رہی ہے۔ میں تمہیں ایک بات بتا دوں طاہر! مجھ سے بے وفائی نہ کرنا ورنہ......!"

طاہر نے گھور کر اسے دیکھا۔ اسے شدید غصہ آیا تھا لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ نادرہ سے بہت کام لینا تھا۔ اسے مطمئن کرنا ضروری تھا۔ اس نے نادرہ کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "مجھ سے میری بادشاہت چھن گئی ہے نادرہ! تم خود سوچو بھکاری بن گیا ہوں...... میں نے تمہیں اس حویلی میں ملکہ کی حیثیت سے دیکھا ہے اور میں تمہیں ملکہ بنا کر رہوں گا لیکن اس طرح...... تم اب بھی مجھ پر شک کرتی ہو۔ بولو اب بھی تمہیں شک ہے؟" اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔

"نہیں!" عورت کی معصومیت بولی۔

☆......☆......☆

مسز جلال نے اپنی زبان سے اپنا مدعا بیان کر دیا۔ "نگین تو یہاں آ کر اپنا گھر بھول ہی گئی۔ آپ لوگوں نے اتنا پیار دیا ہے اسے۔"

"وہ اس سے کہیں زیادہ پیار کے قابل ہے۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔

"ٹھیک ہے تو پھر آپ اسے اپنے پاس مستقل رکھ لیں۔" بیگم جلال نے ہنس کر کہا۔

"یہ تو میرے دل کی آواز ہے، بہن! کاش نگین میرے گھر کی زینت بن جائے۔" زاہدہ بیگم نے کہا۔

"اس میں کاش کی کیا بات ہے، بنا لیں اسے اپنے گھر کی زینت، میں خوشی سے تیار ہوں۔"

"میں مٹھائی لے کر آپ کے پاس نگین کو مانگنے آؤں گی۔ میری تو عید ہو گئی۔"

"آپ کا گھر ہے، ہزار بار آئیں۔ ویسے میں ایک بات کہوں روپے پیسے کی ماشاء اللہ آپ کے پاس کمی نہیں ہے۔ یہ حویلی بہت خوبصورت ہے لیکن ویران ویران سی ہے، آپ شہر میں منتقل ہو جائیں۔"

نگین اور شمیل کو بھی دونوں خواتین کے اس فیصلے کی خبر ہو گئی اور دونوں خوشی سے دیوانے ہو گئے۔ نگین کو پہلے بھی یقین تھا کہ اس کی والدہ کا مزاج کیسا ہے۔ وہ دولت کی پجارن تھیں۔ طاہر کی پذیرائی اسی لئے ہوتی تھی کہ اس وقت وہ ایک دولت مند نوجوان تھا اور اب شمیل......!

بیگم جلال نے سرسری طور پر نگین کو واپس لے جانے کی بات کی لیکن زاہدہ بیگم نے کہا کہ کچھ وقت اور اسے رہنے دیں تو وہ خوشی سے تیار ہو گئیں۔ نگین نے ان سے کچھ اور لباس بھیجنے کے لئے کہا تو وہ بولیں کہ ڈرائیور کے ہاتھ بھیج دیں گی۔

ڈرائیور کے ساتھ بیگم جلال کی ملازمہ جمیلہ بھی آئی تھی۔ نگین کے منگوائے ہوئے کپڑوں کے ساتھ اس نے دو خط بھی نگین کو دیئے تو نگین حیران رہ گئی۔ اس میں ایک خط خاور کا تھا اور دوسرا طاہر کا! اس نے طاہر کا خط پڑھا۔ وہی محرومی، مایوسی کی باتیں تھیں۔ بیگم جلال نے شاید نگین کے رشتے کی خبر پھیلا دی تھی اور طاہر کو بھی پتا چل گیا تھا۔ اس نے بڑی درد بھری مبارکباد دی تھی۔ پتا نہیں اس نے سیل پر یہ مبارکباد کیوں نہیں دی تھی۔

البتہ خاور کا خط ذرا طویل تھا۔ اس نے لکھا تھا۔

نگین! شمیل سے تمہاری منسوبیت کے بارے میں سن کر جتنی خوشی مجھے ہوئی ہے، کسی اور کو نہیں ہو سکتی۔ وہ تمہارے لئے بہترین انتخاب ہے۔ امی کے مزاج کو میں جانتا ہوں، انہوں نے شمیل کا انتخاب صرف دولت کے حوالے سے کیا ہے لیکن شمیل میرا آئیڈیل ہے۔

میری پیاری بہن! ایک انکشاف کر رہا ہوں۔ میں بھی ایک لڑکی کو چاہتا ہوں لیکن وہ امی کے لئے قابل قبول نہیں ہوگی کیونکہ وہ بے حد غریب ہے۔ تمہاری راہ میں کوئی مشکل نہیں ہے لیکن عریشہ کی غربت اس کا سب سے بڑا گناہ ہے اور امی اس گناہ کو قبول نہیں کریں گی۔ عریشہ کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے، وہ ایک پرائیویٹ کلینک میں نرس کی حیثیت سے نوکری کرتی ہے۔ اب یہ ذمہ داری میں تمہیں سونپتا ہوں کہ تم مایوس عریشہ کو یہ یقین کیسے دلا سکتی ہو کہ آخر کار وہ میری زندگی میں شامل ہو جائے۔ امی چاہے اس کی غربت کی کتنی ہی مخالف ہوں، لیکن میں اسے اپنی زندگی میں شامل کر چکا ہوں۔ تھوڑی سی جھجک مانع تھی کہ میں منہ در منہ تم سے یہ بات نہیں کر سکا اس لئے خط لکھا ہے۔

نگین خوش ہو گئی اور پریشان بھی! ماں کے مزاج کو وہ جانتی تھی۔ وہ غربت سے نفرت کرتی تھیں۔ اس کا مسئلہ تو ان کی مرضی کے مطابق حل ہو گیا تھا۔ خاور کے لئے بھی وہ کسی راج محل کی شہزادی لانا چاہتی تھیں۔ انہی سوچوں میں تھی کہ باہر سے شمیل کی آواز سنائی دی۔ وہ اسے پکار رہا تھا۔ اس نے دونوں خط الماری میں رکھے اور باہر نکل آئی۔

اس رات وہ دیر تک جاگتی رہی تھی۔ اس کا ذہن بہت سی گتھیاں سلجھا رہا تھا۔ کیا کیا جائے پھر اس نے ایک فیصلہ کیا۔ بیگم زاہدہ کے مزاج کو اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ بے حد نرم مزاج اور انسان دوست تھیں، اس سے بھرپور تعاون کریں گی۔ رہی بات شمیل کی تو وہ اس کی زندگی بھر کا ساتھی بننے والا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ ان دونوں کو اپنا رازدان بنا کر سب سے پہلے عریشہ کو یہاں لے آئے گی۔ اس کے بعد آگے کام کیا جائے گا۔ اصل میں ایک اور مشکل یہ تھی کہ بیگم جلال کے ذہن میں ان کی پھوپی زاد بہن نوریا کا خیال تھا۔ نوریا والدین کی اکلوتی بیٹی تھی اور وہ لوگ کروڑ پتی تھے بس خرابی یہ تھی کہ نوریا صحیح معنوں میں اکلوتی تھی۔ بدمزاج، بدتمیز، انتہائی پھوہڑ......! اسی وجہ سے بیگم جلال ابھی تک رکی ہوئی تھیں ورنہ شاید رشتہ جا بھی چکا ہوتا۔

دوسرے دن نادرہ نے نگین کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے طاہر کا خط دیکھ لیا۔ وہ طاہر کی تحریر پہچانتی تھی۔ اس نے خط پڑھا اور اس کے پورے وجود میں آگ بھر گئی۔ اسے شبہ تو پہلے ہی ہوا تھا لیکن اس خط نے اس کے شبے کی تصدیق کر دی تھی۔

”میں تجھے زندہ درگور کر دوں گی نگین! میرا محبوب بے وفا ہے لیکن اس کی بے وفائی کی وجہ تو ہے۔ میں اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی لیکن تو......! میں تجھے نہیں چھوڑوں گی۔“

اس نے خاموشی سے خط اس کی جگہ رکھ دیا۔

دوسری طرف نگین نے اپنے کام کے پہلے مرحلے کا آغاز کر دیا۔ اس نے پارک میں شمیل کے ساتھ چہل قدمی کرتے ہوئے کہا۔ ”شمیل! میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔“

”کیا......؟“ شمیل چلتے چلتے رک گیا۔ اسے نگین کا لہجہ کافی سنجیدہ محسوس ہوا تھا۔

نگین نے خاور کا خط اس کے سامنے کر دیا۔ شمیل نے حیرت سے اس کے اس عمل کو دیکھا پھر پرتجسس انداز میں خط نگین کے ہاتھ سے لے لیا اور اسے کھول کر پڑھنے لگا۔ اس کا تجسس خوشی میں تبدیل ہوتا جا رہا تھا، پھر وہ پرمسرت لہجے میں بولا۔ ”یہ تو میرے لئے خوشی کی سب سے بڑی خبر ہے نگین! تم یقین کرو بار ہا میں نے یہ سوچا ہے کہ الٰہی مجھے کوئی ایسا موقع عطا کر کہ میں خاور کے لئے کچھ کر سکوں۔ اس نے جو احسان مجھ پر کیا ہے، اس کے عوض میں ہزار زندگیاں اس پر قربان کر سکتا ہوں۔ نگین! خاور کی شادی عریشہ سے ہوگی، صرف عریشہ سے!“

نگین اعتماد سے مسکرا دی اور بولی۔ ”میں نے سوچا ہے شمیل کہ ہم فوراً عریشہ کو یہاں لے آئیں۔“

”خدا کی قسم ہے میرے ذہن میں بھی یہی خیال آیا ہے۔“

☆......☆......☆

طاہر پیشہ ور مجرم نہیں تھا اور ہر شخص جرم کی مکمل پلاننگ نہیں کر سکتا ہے۔ طاہر کے دل میں جہنم سلگ رہا تھا۔ ہر چند کہ وہ اوباش طبع نوجوان تھا اور بہت سی لڑکیوں کو اس نے سبز باغ دکھا کر اپنے جال میں پھانسا تھا، انہی میں نادرہ بھی تھی لیکن نگین کے لئے وہ نہ جانے کیوں سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس کے دل میں نگین کے شمیل کی طرف ملتفت ہو جانے کا بہت دکھ تھا اور وہ سب کچھ کرنا چاہتا تھا جو ان دونوں کی محبت ناکام بنانے کے لئے ہو۔

جمیلہ، بیگم جلال کے ہاں کی پرانی ملازمہ تھی اور بیگم جلال اس پر بے حد اعتماد کرتی تھیں۔ وہ اکثر جمیلہ کو ڈرائیور کے ساتھ حویلی بھیج دیا کرتی تھیں تاکہ وہ ان کی لاڈلی بیٹی کے کام کر دیا کرے۔ جمیلہ دو دو تین تین دن حویلی میں رک جایا کرتی تھی۔ یہ بات بیگم جلال کے پورے گھر اور قریب کے جاننے والوں کو معلوم ہو چکی تھی کہ نگین کا رشتہ شمیل سے طے ہو چکا ہے۔ کچھ لوگوں نے سرگوشیاں بھی کی تھیں کہ ہونے والی بہو کسی بھی رسم کے بغیر سسرال میں رہ رہی ہے لیکن یہ بڑے لوگوں کے گھرانے تھے جہاں ہر بات بڑی ہوتی ہے اور عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

جمیلہ تین دن کے بعد حویلی سے آئی تھی۔ بیگم جلال نے سب کی خیریت پوچھی۔ بیٹی کے بارے میں پوچھا تو جمیلہ نے بتایا کہ نگین بہت خوش ہے۔ ''لیکن بیگم صاب......!'' یہ کہہ کر جمیلہ خاموش ہوگئی۔ اس کے انداز پر بیگم جلال نے چونک کر اسے دیکھا۔

''کیا بات ہے، تو کچھ کہتے کہتے رک گئی۔''

''بیگم صاب! بات ہی ایسی ہے۔ ہم نوکر لوگ کبھی کبھی مالک کی وفاداری میں بھی مارے جاتے ہیں۔ کرتے بھلے کے لئے ہیں، ہو برا جاتا ہے۔'' جمیلہ نے کہا۔

''بہت بولنا آ گیا ہے، کیا بات ہے فوراً بتا ورنہ مجھے جانتی ہے۔'' بیگم جلال غصے سے بولی۔

''نگین بی بی کا رشتہ شمیل بابو سے طے ہوا ہے؟''

''ہاں......!''

''مگر وہ اچھے بندے نہیں ہیں۔''

''کیوں......؟''

''میں نے جو دیکھا ہے، وہ اچھا نہیں تھا مگر میں کیا کروں نگین بی بی کو میں بہت پیار کرتی ہوں۔ وہاں ایک لڑکی نادرہ ہے، وہ بڑی خوبصورت لڑکی ہے۔''

''ہاں......تو!''

''شمیل بابو اور نادرہ کے بیچ چکر چل رہا ہے۔ وہ رات کے اندھیروں میں سنسان جگہوں پر ملتے ہیں......اور......بیگم صاحبہ اور......میں نے ان کی باتیں بھی سنی ہیں۔''

بیگم جلال سناٹے میں آ گئی تھیں۔ جمیلہ ان کی بہت پرانی ملازمہ تھی۔ وہ جھوٹ نہیں بول سکتی تھی کیونکہ وہ نگین پر جان چھڑکتی تھی۔

''کیا باتیں کر رہے تھے وہ......؟''

''شمیل بابو کہہ رہے تھے کہ وہ فکر نہ کرے۔ نگین سے شادی تو وہ دنیا دکھاوے کے لئے کر رہے ہیں، اس حویلی کی اصل مالکن تم ہوگی۔''

بیگم جلال پر قیامت ٹوٹ رہی تھی۔ بمشکل انہوں نے کہا۔ ''تو نے نگین کو یہ بات بتائی؟''

''بالکل نہیں!''

''کسی کو مت بتانا خبردار......! خیال رکھنا۔''

''جی بیگم صاب!'' جمیلہ نے کہا اور بیگم جلال کے اشارے پر وہاں سے چلی گئی لیکن بیگم جلال سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔ شمیل کے اس طرح سینگ نکل آئے۔ مریل، مجہول سا نوجوان جو سخت بری حالت میں تھا، ان کے بیٹے نے اسے نئی زندگی دی تھی، وہ ایسا ہے، اب کیا کروں۔

☆......☆......☆

نگین اور شمیل نے پوری تفصیل زاہدہ بیگم کو بتا دی پھر کہا۔ ''چچی جان! میں عریشہ کو یہاں لے آنا چاہتی ہوں۔''

زاہدہ بیگم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کچھ لمحے خاموش رہیں پھر بولیں۔ ''تم نے مجھے بتا دیا، اچھا کیا لیکن اب تم یہاں کے سیاہ و سفید کی مالک ہو۔ اس حویلی میں، ہماری زندگی میں سب کچھ اپنی مرضی سے کر سکتی ہو۔ خاور اس بچی کو چاہتا ہے تو وہ ہماری آنکھوں کا تارا ہے، تم اسے ضرور لے آؤ۔''

''اللہ آپ کو سلامت رکھے چچی جان! ہم جو کچھ کریں گے، آپ کے زیر سایہ رہ کر کریں گے۔ ممکن ہے میں دو تین دن امی کے پاس رہ کر گزار دوں، آپ کی اجازت ہے!''

''ٹھیک ہے۔'' زاہدہ شمسی نے کہا۔

☆......☆......☆

جس پتے پر گاڑی جا کر رکی، اسے دیکھ کر نگین حیران رہ گئی۔ ایک پرانی اور بوسیدہ عمارت تھی۔ اس پر ڈاکٹر ساجدہ خان کا بورڈ لگا ہوا تھا اور اس پر کوئی ڈگری نہیں لکھی تھی۔

نگین نیچے اتری اور کلینک کے دروازے کی طرف چل پڑی۔ ابھی اس نے دروازے سے اندر قدم بھی نہیں رکھا تھا کہ اچانک اندر سے کوئی مرد باہر نکلا اور اسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔ یہ طاہر تھا۔

نگین بھی ہکا بکا رہ گئی تھی۔

’’ارے نگین! تم......؟‘‘ طاہر حیرت سے بولا۔ نگین سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔ ’’تمہیں ڈاکٹر ساجدہ سے کیا کام پڑ گیا؟‘‘

نگین نے خود کو سنبھالا اور بولی۔ ’’بس کچھ کام تھا۔‘‘

’’میں کچھ مدد کر سکتا ہوں؟‘‘ طاہر معنی خیز لہجے میں بولا۔

’’ہاں! وہ یہ کہ راستے سے ہٹ جاؤ اور اپنے کام سے کام رکھو۔‘‘ نگین کا لہجہ بے حد خشک تھا۔

’’یہی تو کوشش کر رہا ہوں۔‘‘ وہ زہریلے لہجے میں بولا اور نگین کو اندر جانے کا راستہ دے دیا۔ نگین اندر داخل ہو گئی۔ اس نے پلٹ کر طاہر کو نہیں دیکھا تھا۔ طاہر کے انداز پر اسے شدید غصہ آیا تھا لیکن اسے یہاں دیکھ کر سخت حیرت بھی ہوئی تھی تاہم اندر پہنچ کر اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ اسے یہ جگہ کچھ مشکوک سی لگی تھی۔ اسی وقت ایک موٹی اور بھدی سی عورت اندرونی کمرے سے نکلی اور عجیب سی نظروں سے اس کا جائزہ لیا پھر بولی۔ ’’ہاں بی بی! کہو کیا کام ہے، ڈاکٹر صاب مریض کو دیکھ رہی ہیں۔‘‘

’’مجھے نرس عریشہ سے ملنا ہے۔‘‘ نگین نے کہا۔ اس کا جملہ پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ اس دروازے سے ایک دبلی پتلی سی لڑکی باہر آئی۔ وہ نرس کے یونیفارم میں تھی لیکن نگین اسے دیکھتی رہ گئی۔ گہری سیاہ اور بے پناہ پرکشش آنکھیں، انتہائی سبک اور سادہ نقوش، سیاہ لمبے بال...! اس نے شاید نگین کے جملے سن لئے تھے۔

’’آپ میرا نام لے رہی تھیں۔‘‘ اس کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح دلکش تھی۔

’’تم عریشہ ہو نا......؟‘‘

’’جی......!‘‘

’’میرا نام نگین ہے اور مجھے خاور جلال نے بھیجا ہے۔ میں ان کی چھوٹی بہن ہوں۔‘‘

’’اوہ! میں آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں بس آپ کو دیکھا نہیں تھا۔‘‘

’’اب دیکھ بھی لیا۔ بس یہ یونیفارم چینج کریں، میں آپ کو لینے آئی ہوں، آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے۔‘‘

’’کک...... کہاں......؟‘‘ عریشہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

’’بھابی ہیں آپ میری، مجھے حق ہے آپ کو جہاں چاہوں لے جاؤں اور باقی باتیں میں آپ کو بعد میں بتاؤں گی۔‘‘

’’آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ میں یہاں نوکری کرتی ہوں اور......!‘‘ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے اندرونی دروازے کی طرف دیکھا۔ موٹی عورت نے ان دونوں کی باتیں سنیں اور اندر چلی گئی۔ کچھ ہی دیر کے بعد وہ ایک اور عورت کے ساتھ باہر آ گئی۔ دوسری عورت اس سے بھی زیادہ موٹی اور مکروہ صورت کی حامل تھی۔ اس کے چہرے پر سخت غصے کے آثار تھے۔

’’کیا ڈرامہ ہو رہا ہے یہاں؟‘‘ اس نے گرجدار آواز میں کہا۔

’’کیوں کیا یہ تھیٹر ہے، یہاں ڈرامے ہوتے ہیں؟‘‘ نگین بھی کسی سے کم نہیں تھی۔

’’کیا مطلب ہے تمہارا۔‘‘

’’میں عریشہ کو لے جا رہی ہوں، یہ اب یہاں نوکری نہیں کرے گی۔‘‘

’’کس کی مجال ہے کہ اسے یہاں سے لے جائے۔ یہ ایسے نہیں جا سکتی، اسے مہینہ پورا کرنا پڑے گا۔‘‘ ڈاکٹر ساجدہ نے کہا۔ معصوم عریشہ کے بدن میں کپکپاہٹ دوڑ رہی تھی۔

’’آپ روکیں گی اسے......؟‘‘ نگین نے کہا اور دروازے کی طرف منہ کر کے زور سے آواز لگائی۔ ’’غلام شاہ......!‘‘

ڈرائیور غلام شاہ ویسے تو شریف آدمی تھا لیکن شکل و صورت اور تن و توش اللہ نے ایسا دیا تھا کہ انسان اسے دیکھ کر پہلی ہی نگاہ میں سنبھل جائے۔ ڈاکٹر ساجدہ نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور سنبھل گئی۔

''جی بیگم جی!'' غلام شاہ نے کہا۔

''یہ بیگم صاحبہ مجھے دھمکیاں دے رہی ہیں۔'' نگین نے کہا اور غلام شاہ جسے اداکاری کا بہت شوق تھا، ولن کے انداز میں پلٹا تو ڈاکٹر ساجدہ جلدی سے بولی۔ ''میں نے کوئی دھمکی نہیں دی لیکن نوکری چھوڑنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ یہ جارہی ہے جائے مگر میں اسے ایک دن کی بھی تنخواہ نہیں دوں گی۔''

''تنخواہ......!'' نگین نے کہا۔ پھر عریشہ سے بولی۔ ''جاؤ عریشہ! چینج کرکے اور اپنا سامان لے کر آجاؤ، جاؤ۔''

عریشہ لرزتے قدموں سے اندر چل پڑی۔ ڈاکٹر ساجدہ نے بھی اس کے پیچھے قدم اٹھائے تو غلام شاہ بولا۔ ''اوہ! تو ادھر ہی رک جا بی! آگے مت جا......رک اوئے!'' اور ساجدہ رک گئی۔

نگین، عریشہ کو لے کر باہر نکل آئی۔ غلام شاہ نے پچھلا دروازہ کھولا اور دونوں اندر بیٹھ گئیں۔ کار چل پڑی۔ عریشہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ نگین نے پیار سے اس کے آنسو پونچھے اور بولی۔ ''بس یہ تمہاری آنکھوں کے آخری آنسو ہیں، اس کے بعد خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی، انشاءاللہ!''

راستے میں عریشہ نے اسے اپنے بارے میں بتایا۔ ''میں بچپن ہی سے بدنصیب ہوں۔ ایک دارالامان میں پرورش پائی، میری خالہ زاد بہن بھی وہیں میرے ساتھ ہیں ہمارا اور کوئی نہیں تھا۔ بہت عرصے تک ہم وہاں رہے۔ اس کا مزاج مجھ سے بہت مختلف تھا۔ وہ بہت خوبصورت تھی اور ہمیشہ کسی راج محل کے خواب دیکھتی تھی پھر ایک دن وہ دارالامان سے بھاگ گئی، اس کے بعد میں نے وہاں سے راہ فرار اختیار کی۔ دارالامان ہی کی ایک بوڑھی ملازمہ نے میری مدد کی، کچھ روز اپنے گھر رکھا، پھر اسی نے مجھے ڈاکٹر ساجدہ کے پاس نوکری دلا دی اور بس......!''

''بھائی جان سے تمہاری ملاقات کیسے ہوئی؟''

''میں سڑک پار کررہی تھی، ان کی کار سے ہلکی سی ٹکر ہوگئی۔''

''اور دونوں کا بیڑہ پار ہوگیا۔'' نگین نے کہا اور ہنس پڑی۔ پھر چونک کر بولی۔ ''اچھا ایک بات بتاؤ جب میں کلینک میں داخل ہورہی تھی تو میں نے ایک شخص کو باہر نکلتے دیکھا تھا۔ اس کا نام طاہر ہے، کیا تم اسے جانتی ہو؟''

''ہاں! وہ اچھا انسان نہیں ہے، ڈاکٹر ساجدہ سے اس کی گہری دوستی ہے اور وہ اکثر اس کے پاس آتا رہتا ہے، دونوں تنہائی میں نہ جانے کیا باتیں کرتے رہتے ہیں۔'' عریشہ نے بتایا۔ نگین راستے بھر اسے خاور کے، طاہر کے اور شمیل کے بارے میں بتاتی رہی یہاں تک کہ کار حویلی میں داخل ہوگئی۔

زاہدہ بیگم نے اس طرح عریشہ کا استقبال کیا جس کی نگین کو امید تھی۔ انہوں نے اس کا سر سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔ ''خدا جب دینے پر آتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دے دیتا ہے۔ میری ایک بھی بیٹی نہیں تھی، اب اللہ نے دو دو دیدی ہیں۔''

☆......☆......☆

طاہر کے دل پر چرکے پر چرکے لگ رہے تھے۔ وہ شمیل اور نگین کے درمیان کے سارے رابطہ ختم کرنا چاہتا تھا لیکن کہیں بات نہیں بن رہی تھی، کوئی حل نہیں نکل رہا تھا۔ اس وقت اس نے نگین کو ڈاکٹر ساجدہ کے کلینک میں دیکھا تھا اور حیران رہ گیا تھا۔ نگین اسے بری طرح نظر انداز کرکے اندر چلی گئی تھی لیکن اس کی حیرانی کم نہیں ہوئی تھی۔

یہ بات اسے معلوم تھی کہ بیگم جلال کا بیٹا خاور جلال اور ڈاکٹر ساجدہ کے ہاں نرس کی نوکری کرنے والی خوبصورت لڑکی کے خاور سے تعلقات ہیں۔ اس نے ان دونوں کو باہر ملتے ہوئے دیکھا تھا لیکن اسے کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ خوش باش امیرزادوں کی خوبصورت لڑکیوں سے دوستی ہوتی ہی ہے، خود اسے بھی عریشہ پسند آگئی تھی اور اس نے اسے اپنی لسٹ پر رکھا ہوا تھا لیکن درمیان میں کمبخت شمیل آگیا تھا جس نے سب کچھ تلپٹ کردیا تھا۔

ڈاکٹر ساجدہ ایک بدنام عورت تھی۔ وہ ڈاکٹر نہیں تھی بس اپنے تعلقات کی وجہ سے ڈاکٹر بنی ہوئی تھی۔ طاہر اپنے کچھ کاموں کی وجہ سے اس سے ملتا رہتا تھا اور ڈاکٹر اس سے صرف اس لئے تعلقات رکھے ہوئے تھی کہ وہ اسے ایک دولت مند اوباش نوجوان سمجھتی تھی لیکن اس وقت......!

وہ وہاں سے گیا نہیں تھا بلکہ یہ دیکھنے کے لئے رک گیا تھا کہ نگین یہاں کیوں آئی ہے۔ کافی دیر کے بعد اس نے عریشہ کو نگین کے ساتھ کار میں بیٹھ کر جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کا دل چاہا کہ ان کا تعاقب کرے لیکن پھر اس نے یہ ارادہ ترک کردیا۔ اس کے قدم ڈاکٹر ساجدہ کے کلینک کی طرف اٹھ گئے۔ پہلے یہ معلوم کرے کہ نرس عریشہ نگین کے ساتھ کہاں گئی ہے۔

(جاری ہے)

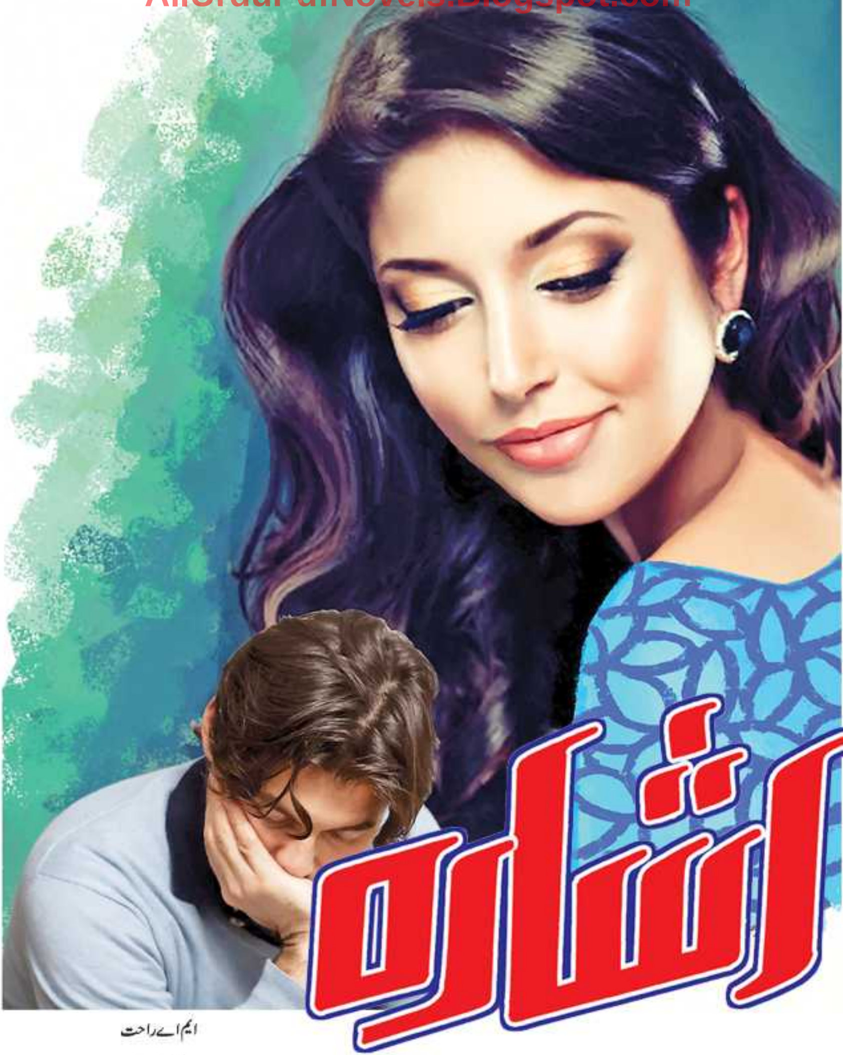

اشارہ

ایم اے راحت

آخری قسط

ڈاکٹر ساجدہ سخت غصے میں تھی۔ عریشہ کی اس کی نگاہوں میں کوئی حیثیت نہیں تھی۔ وہ فوری طور پر کسی دوسری نرس کا بندوبست کر سکتی تھی لیکن جس انداز میں دھمکی دے کر عریشہ کو لے

جایا گیا تھا، وہ اسے اپنی زبردست توہین محسوس ہو رہا تھا۔

طاہر کو دوبارہ دیکھ کر وہ سنبھل گئی اور نرم لہجے میں بولی۔ ”آیئے طاہر صاحب! خیریت، کوئی خاص بات ہے؟“

”ہاں! خاص ہی بات ہے۔ ویسے آپ کچھ کبیدہ خاطر معلوم ہوتی ہیں؟“

”ہاں! ابھی کچھ منٹ قبل میرے ساتھ ایک ڈرامہ ہو چکا ہے۔“ ساجدہ نے طاہر کو پوری تفصیل بتائی۔ پھر بولی۔ ”بات یہ نہیں تھی کہ میں اس لڑکی کے باڈی گارڈ سے ڈر گئی تھی۔ بس یوں سمجھیں مسٹر طاہر کہ میں اپنے اس کلینک میں ہنگامہ نہیں چاہتی تھی کہ پولیس اور دوسرے لوگ اس کی طرف متوجہ ہوں لیکن مجھے اس لڑکی کے بارے میں معلوم ہونا چاہئے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔“

”اسے چھوڑ دیں ڈاکٹر ساجدہ! کیونکہ وہ میرا مستقبل ہے۔ ہاں اسے ضرور سزا دیں جو کسی کے بل پر اچھل رہی ہے۔ اسے نگین کے ساتھ نہیں جانا چاہئے تھا۔“

”نگین کون......؟“ ساجدہ نے پوچھا اور طاہر نے اسے پوری کہانی سنا دی۔

تب ساجدہ نے کہا۔ ”ٹھیک ہے طاہر صاحب! آپ نے ہمیشہ ہر معاملے میں میری مدد کی ہے۔ میں اسے کچھ نہیں کہوں گی لیکن عریشہ کو بدترین سزا دوں گی۔“

”ضرور دیں لیکن تھوڑی سی میرے لئے بچا رکھیں۔“ طاہر نے ہنستے ہوئے کہا تو ساجدہ بھی ہنسنے لگی۔

☆......☆......☆

بیگم جلال خاصی الجھ گئی تھیں۔ جمیلہ نے انہیں جو کچھ بتایا تھا، اس نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ انہیں شمیل کی دولت سے انتہائی دلچسپی تھی لیکن ظاہر ہے اپنے لئے نہیں بلکہ نگین کے لئے......! وہ اسے محلوں کی شہزادی دیکھنا چاہتی تھیں لیکن نادرہ......! آج وہ خاص طور سے نادرہ کو دیکھنے آئی تھیں۔

یہاں ہمیشہ ان کی پذیرائی ہوتی تھی۔ بیگم زاہدہ ان سے حسب عادت ملیں اور انہوں نے غور سے نادرہ کو دیکھا۔ اتنی ہی خوبصورت تھی وہ کہ کسی بھی نوجوان کا دل موہ لیتی۔ انہوں نے زاہدہ سے تو کچھ نہیں کہا لیکن نگین کو تنہائی میں بلا کر بولیں۔ ”تمہارا یہاں رہنا مجھے ناپسند نہیں لیکن ابھی تمہاری شادی نہیں ہوئی ہے، میں دنیا کی پروا نہیں کرتی لیکن میڈیا ہم جیسے بڑے لوگوں کی تاک میں رہتا ہے۔ کسی کو بھنک مل گئی تو خطرناک کہانیاں بن جائیں گی۔“

”آپ جیسا کہیں امی! تھوڑے دن اور رہنے دیں پھر آ جاؤں گی۔“

”اکیلے نہیں!“ بیگم جلال نے کہا۔

”کیا مطلب......؟“

”ان لوگوں کو اکساؤ کہ یہ شہر منتقل ہو جائیں۔ تیمور شمسی کا گھر تو بہت چھوٹا سا ہے لیکن ان کے لئے کوئی بڑا گھر خرید لینا مشکل کام نہیں ہے اس کے علاوہ نگین! میں ایک اور الجھن کا شکار ہو گئی ہوں۔“

”کیا امی!“ نگین نے تشویش سے کہا۔ تب بیگم جلال نے اسے نادرہ اور شمیل کی تفصیل بتائی اور نگین برافروختہ ہو گئی۔ وہ بولی۔ ”جمیلہ کو فوراً نوکری سے نکال دیں اور سنیں! شمیل جیسے فرشتہ صفت انسان پر یہ تہمت بے حد مکروہ ہے، مجھے ان پر مکمل اعتماد ہے۔“

”تمہارا اعتماد کوئی معنی نہیں رکھتا، تم دنیا کو جانتی ہی کتنا ہو۔“

”جتنا بھی جانتی ہوں، اس سے مطمئن ہوں۔ جمیلہ آئندہ یہاں نہ آئے۔“

”ٹھیک ہے، تم واپس گھر آنے کی تیاری کرو۔“ بیگم جلال نے کہا۔

☆......☆......☆

”تم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا جمیلہ!“ طاہر نے بیگم جلال کی ملازمہ جمیلہ سے کہا۔ اس نے بمشکل جمیلہ کو بیگم جلال کی کوٹھی سے باہر بلایا تھا۔

”صاب جی! میں نے تو بڑی تفصیل سے بیگم صاب کو وہ سب کچھ بتایا تھا جو آپ نے کہا تھا بلکہ کل بیگم صاب حویلی گئی تھیں، واپس آئیں تو بڑے غصے میں تھیں۔ مجھے بلا کر بڑی سختی سے پوچھا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے، وہ سچ تھا۔ میں نے کسی کے بہکاوے میں آ کر تو یہ کہانی نہیں گھڑی ہے۔“

”تو پھر......؟“

”بڑی قسمیں کھا کر انہیں یقین دلایا۔ لگتا ہے صاب جی! وہاں کوئی بات ہوئی ہے۔“

”تمہیں اس سلسلے کی ہر بات معلوم کرنی ہے جمیلہ! لیکن بڑی احتیاط سے، کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہئے۔“ طاہر نے کچھ نوٹ نکال کر جمیلہ کو دیئے اور وہ شکریہ ادا کر کے چلی گئی۔

طاہر ایک ریستوران میں آ کر بیٹھ گیا۔ اس کی ذہنی حالت بہتر نہیں رہتی تھی، حالانکہ کاروباری اور جائداد کے امور میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پہلے ہی کی طرح سارے کام کر رہا تھا۔ اس کی اجازت اسے زاہدہ شمسی نے دی تھی۔

شمیل تو کسی معاملے میں بولتا ہی نہیں تھا بلکہ وہ اسے بڑے بھائی کا درجہ دیتا تھا اور بڑے احترام سے پیش آتا تھا لیکن طاہر جانتا تھا کہ اس کی پوزیشن بڑی نازک ہے۔ کسی بھی وقت وہ ان تمام مراعات سے بے دخل کیا جا سکتا ہے، خاص طور سے بیرسٹر احمد کمال بڑے مستعد نظر آتے تھے۔ ابھی پچھلے دنوں انہوں نے اس سے کچھ کاغذات پر دستخط لئے تھے۔ ان کے تحت ایک بہت بڑی جائداد شمیل کے نام منتقل ہوئی تھی۔

”لیکن سر! اس کی کیا ضرورت ہے، میں سارے کام شمیل کے مفادات کو سامنے رکھ کر کر رہا ہوں۔“ اس نے کہا تھا۔

”بالکل ٹھیک ہے مسٹر طاہر! لیکن قانون کے عمل اپنی جگہ ہوتے ہیں اور ان کی تکمیل ضروری ہوتی ہے۔ میں اس خاندان کا قانونی نگراں ہوں، مجھے اپنا فرض پورا کرنا ہے۔ معاف کیجئے گا آپ اس خاندان کے صرف لے پالک ہیں، کوئی دستاویز آپ کے حق میں نہیں ہے اور پھر شمیل کی موت کی اطلاع کے بعد آپ نے بیگم زاہدہ شمسی سے جو اجتناب برتا، وہ میرے علم میں ہے۔ اس نیک خاتون نے پہلے بھی اپنے شوہر کی ٹھکرائی ہوئی دولت سے کسی رغبت کا اظہار نہیں کیا اور اب بھی اس نے آپ کو سارے اختیارات دے دیئے ہیں لیکن میں قانونی کارروائی مکمل کر لینا چاہتا ہوں۔“

طاہر تڑپ کر رہ گیا تھا۔ وہ صرف لے پالک تھا۔ ہمایوں شمسی نے مرتے ہوئے اسے زندہ در گور کر دیا تھا اور اسے اپنے حصے میں سے کوئی ترکہ دینے کے بجائے یہ سب شمیل کے نام کر دیا تھا، البتہ بہت سے واقعات اور شمیل کی موت کی خبر نے اس کے نصیب کھول دیئے تھے لیکن بس تھوڑے دنوں کی بادشاہت ملی تھی اور اب......!

ریستوران میں بیٹھے اور کافی پیتے ہوئے وہ یہی سب سوچتا رہا۔ فیصلہ کرنا تھا کہ کیا کرے۔ شمیل نے آ کر سب کچھ تلپٹ کر دیا تھا اور اس کا محرک خاور جلال تھا۔ نگین بھی اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور دولت بھی! بارہا اس کا دل چاہا کہ شمیل کو قتل کر دے لیکن کوئی مؤثر تدبیر سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ شمیل کی موت بیشک چاہتا تھا لیکن اس طرح کہ کسی کا شک اس کی طرف نہ جائے۔ جانتا تھا کہ شمیل کی موت کے بعد پولیس کا شک اس کی طرف جائے گا کیونکہ اس سے سارا فائدہ اسی کو پہنچے گا۔ اگر شمیل کے قتل کے نتیجے میں اسے سزائے موت ہو جائے تو فائدہ......! اس لئے کوئی مؤثر تدبیر، کوئی لاجواب منصوبہ......! دوسری طرف نگین اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ وہ نگین کو اپنانا چاہتا تھا چنانچہ اس کے لئے اس نے کام شروع کر دیا تھا۔ ایک طرف وہ نادرہ کو اس بارے میں استعمال کرنا چاہتا تھا تو دوسری طرف اس نے جمیلہ کو اپنے کام کے لئے تیار کر لیا تھا۔

بہت دیر تک وہ سوچتا رہا، پھر کسی فیصلے کے تحت اس نے سیل نکال کر نادرہ کو کال کی۔ تھوڑی کوشش کے بعد اس سے رابطہ ہو گیا اور دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”جی طاہر! کیسے ہو؟“

”نادرہ! مجھے تمہاری ضرورت ہے۔“

”کاش! ایسے ہی ہو۔“ نادرہ نے کہا۔

”شہر آ جاؤ، بہت دن سے تم سے دور ہوں۔“

”آ جاتی ہوں، بس تم حکم کرو۔“ نادرہ نے جذباتی لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے، میں انتظار کروں گا۔“ طاہر نے سیل آف کر دیا۔

نادرہ دیوانگی کی حد تک اسے چاہتی تھی جبکہ طاہر اس سے بالکل مخلص نہیں تھا۔ وہ صرف اسے اپنا آلۂ کار بنائے ہوئے تھا۔ اس نے بس اتنا کیا تھا نادرہ کے لئے کہ حویلی میں اسے ہمایوں شمسی کی بیوی یا اپنی نام نہاد ماں کے لئے رکھ چھوڑا تھا جو ایک بالکل بیکار وجود تھا۔ نیم دیوانی اور بے ضرر بس جی رہی تھی۔

نادرہ اس کے پاس پہنچ گئی اور طاہر نے اس سے زبردست محبت کا اظہار کیا۔

”حویلی کی فضا تمہیں بہت راس آ گئی ہے نادرہ! تم روز بروز زیادہ خوبصورت ہوتی جا رہی ہو۔“

”کاش! میری خوبصورتی میرے کام آ سکتی۔“ نادرہ نے حسرت سے کہا۔

”بس تھوڑی سی محنت، تھوڑا سا وقت!“ طاہر نے کہا۔

”ایک بات کہوں طاہر!“

”ہاں! کہو۔“

’’ایک بار، صرف ایک بار مجھے خلوص اور سچائی سے اپنا کہہ دو، اپنا بنالو پھر کہو گے تو زہر کھا کر خودکشی کرلوں گی۔‘‘

’’تو کیا میں تم سے مخلص نہیں ہوں؟‘‘

’’نہیں!‘‘ نادرہ کرب سے بولی اور طاہر کا وہ خط اس کے سامنے کردیا جو طاہر نے نگین کے لئے لکھا تھا۔ طاہر نے ایک نگاہ میں اسے پہچان لیا۔ اسے شدید اعصابی جھٹکا لگا تھا لیکن مضبوط آدمی تھا، خود کو سنبھال لیا اور مدھم سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔

’’میں یہ نہیں پوچھوں گا کہ یہ تمہارے پاس کہاں سے آیا لیکن اتنا ضرور پوچھوں گا کہ کیا اس طرح کے خط تمہیں مجھ سے بدگمان کرسکتے ہیں؟‘‘

معصوم نادرہ کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ نہ سمجھنے والے انداز میں طاہر کو دیکھنے لگی۔ طاہر نے اپنے چہرے پر افسردگی پیدا کرلی اور غمزدہ لہجے میں بولا۔ ’’میں اپنی حیثیت واپس لانے کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں نادرہ! اس میں صرف تم میری شریک ہو، صرف اس لئے کہ تم میری شریک زندگی ہو۔ میری خوشگوار زندگی میں اچانک جو بھونچال آیا ہے، اس نے مجھے چور چور کردیا ہے، اب تم بھی مجھ پر شک کروگی؟‘‘

’’مم...... میں کبھی نہیں!‘‘ نادرہ متاثر ہوگئی۔

’’بس کوشش کر رہا ہوں کہ میری کھوئی ہوئی بادشاہت مجھے واپس مل جائے اور یہ خط بھی اسی کا حصہ ہے۔ یہ صرف ایک ضرورت تھی جس کا دل سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دل کا ہر گوشہ تمہارے پیار سے سجا ہوا ہے۔‘‘

’’یعنی یہ خط......؟‘‘ نادرہ نے حیرانی سے کہا۔

’’ہاں! یہ بس ایک کارروائی تھی۔ اپنے منصوبے کے تحت میں نے اسے لکھا تھا۔‘‘ طاہر نے افسردگی سے کہا۔ نادرہ جذباتی ہوکر اس کے قریب ہوگئی۔

’’غلطی ہوگئی طاہر! غلطی ہوگئی، معاف کردو۔ میں تمہارے لئے پاگل ہوں، کسی کی آنکھ میں تمہارے لئے پیار نہیں دیکھ سکتی اور تمہاری آنکھوں میں کسی اور کی تصویر بھی!‘‘

’’اور اپنی تصویر تمہیں میرے دل میں نظر نہیں آتی؟‘‘

’’آتی ہے۔‘‘ نادرہ نے کہا۔

کافی دیر تک طاہر اسے بہلاتا پھسلاتا رہا، پھر مطلب پر آگیا۔ افسردگی سے بولا۔ ’’میں بھکاری بن کر رہ گیا ہوں نادرہ!‘‘

’’خدا نہ کرے، ایسا کیوں کہتے ہو۔ جہاں تک میرے علم میں ہے، تمہیں اب بھی وہی حیثیت حاصل ہے جو پہلے تھی۔ شمیل بھی تمہیں بھائی بھائی کہتے نہیں تھکتا اور زاہدہ بیگم بھی یہی کہتی ہیں کہ وہ ایک نہیں دو بیٹوں کی ماں ہیں۔‘‘

’’یہ دنیا بڑی مکار ہے نادرہ! اس کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور ہے۔ زاہدہ بیگم منہ پر کچھ اور کہتی ہیں لیکن ان کا عمل کچھ اور ہے۔ ابھی کچھ دن قبل وکیل احمد کمال نے مجھ سے کاغذات سائن کرائے ہیں، جن کی رو سے میں ہر چیز سے بے دخل ہوگیا ہوں۔ مالک صرف شمیل ہے اور میں صرف ایک ملازم ہوں۔ نادرہ! مجھ سے نوکری نہیں ہوگی۔ میں مالک بن کر زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ ایسا نہ ہوسکا تو میں موت اپنالوں گا۔‘‘ طاہر اداکاری کرتا ہوا بولا اور نادرہ تڑپ گئی۔

’’ایسے نہ کہو پلیز! ایسے نہ کہو طاہر! دنیا سے جانا پڑا تو دونوں ساتھ چلیں گے۔ کاش میں کچھ کرسکوں۔‘‘

’’ہمیں جو کچھ کرنا ہے، مل کر ہی کرنا ہے نادرہ!‘‘

’’بتاؤ میں کیا کروں، میری جان بھی تمہارے کام آجائے تو میں اس سے گریز نہیں کروں گی۔‘‘

’’میں آخری حد تک چلا جاؤں گا نادرہ! اگر مجھے شمیل کی جان بھی لینی پڑے تو میں اس سے گریز نہیں کروں گا۔‘‘ طاہر نے گہری نظروں سے نادرہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ وہ اپنے الفاظ کا ردعمل نادرہ کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا لیکن نادرہ کے تاثرات اس کے پیار میں ڈوبے نظر آئے۔ اس طرف سے مطمئن ہوکر اس نے کہا۔ ’’لیکن میں چاہتا ہوں کہ کام دوسری طرح ہی بن جائے۔ تم میرے لئے کام کرنے کو تیار ہو؟‘‘

’’پوچھ کیوں رہے ہو؟‘‘ نادرہ نے کہا۔

’’تو پھر سنو! ہم دو مرحلوں میں کام کریں گے۔ پہلے مرحلے کے طور پر......!‘‘ طاہر اسے اپنا منصوبہ بتانے لگا۔

☆......☆......☆

شمیل کی صحت بہترین ہوتی جارہی تھی۔ جن حالات سے وہ گزر چکا تھا اور جن کی وجہ سے اس کی یادداشت چلی گئی تھی، کوشش کے باوجود اسے مکمل طور پر یاد نہیں آرہے تھے۔ بس کچھ

مٹے مٹے سے نقوش، بدن پر چوٹوں کے نشانات اور پھر تاریکی!

زاہدہ بیگم کہتی تھیں۔ ''بھول جاؤ ان تمام باتوں کو، لعنت بھیج دو ان سب خیالات پر، نئی زندگی کا آغاز کرو، سب کچھ دے دیا ہے اللہ نے تمہیں بھی اور مجھے بھی...... نگین جیسی بیٹی مل گئی ہے مجھے اور کیا چاہئے۔'' یہ بات نگین کے سامنے بھی ہو چکی تھی اور ایسے اوقات میں نگین کے چہرے کی گلابیاں کچھ اور گہری ہو جاتی تھیں۔ وہ ہر طرح سے مطمئن تھی لیکن اس بار بیگم جلال نے جو شوشا چھوڑا تھا، وہ انوکھا تھا۔

اپنی ماں کو وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ یہ لوگ ہر طرح سے صاحب حیثیت تھے لیکن بیگم جلال دولت پر مرتی تھیں۔ انہیں غربت سے نفرت تھی۔ طاہر کے جس طرح وہ آگے پیچھے رہتی تھیں، وہ بھی ایک مثال تھی اور شمیل کے آ جانے پر انہوں نے جس طرح آنکھیں بدلی تھیں، اس کا بھی کوئی جواب نہیں تھا لیکن شمیل کے بارے میں بیگم جلال کی بدگمانی ناقابل یقین تھی۔ اس نے سختی سے ان کے خیال کی مذمت کی تھی لیکن عورت شاید اب تک خود اپنے آپ کو نہیں سمجھ سکی۔ اس کی فطرت میں شک کا عنصر کتنے فیصد ہے، اس کا تجزیہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔

بیگم جلال کے جانے کے بعد اس کے اندر بے کلی سی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے چشم تصور سے شمیل کو دیکھا۔ نازک نازک سے وجود کا مالک، خوبصورت لیکن سادہ نقوش والا چہرہ، حسین آنکھیں جن میں محبت ہی محبت تھی، ریاکاری کی کوئی رمق نہیں نظر آتی تھی۔ کیا شمیل یہ سب کر سکتا ہے، یہاں دل و دماغ خاموش ہو جاتے تھے پھر نادرہ......! وہ بے شک، بہت خوبصورت تھی لیکن نوکرانی تھی، اس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ تو کیا......! لیکن اس سے آگے اسے اپنی سوچ بھی گناہ لگتی تھی۔

عریشہ کے آ جانے سے گھر میں اور رونق آ گئی تھی۔ بیگم زاہدہ تو فرشتہ صفت تھیں، انسانوں سے پیار کرنے والی......! انہوں نے طاہر جیسے بدقماش کو بھی معاف کر دیا تھا جو ان کی دولت پر سانپ بن کر بیٹھ گیا تھا اور شمیل کی موت کی خبر پر بھی اس نے انہیں سہارا نہیں دیا تھا اور خود ان کی دولت پر عیش کر رہا تھا لیکن انہوں نے اسے دربدر نہیں کیا تھا۔

وہ اکثر یہاں حویلی میں آتا رہتا تھا۔ کاروبار کا حساب دینے کی کوشش کرتا تھا لیکن یہ دونوں ماں، بیٹے اسے ہنس کر ٹال دیتے تھے۔ کبھی کبھی وہ یہاں رک بھی جاتا تھا۔ یہاں اسے گھر کی سی اپنائیت ملتی تھی۔

یہی عمل زاہدہ بیگم کا عریشہ کے ساتھ تھا۔ انہوں نے اس بے سہارا کو ماں جیسا پیار دیا تھا خاص طور سے یہ علم ہونے کے بعد کہ وہ خاور کی محبت تھی اور خاور......! وہ تو ان کے لئے فرشتوں کا درجہ رکھتا تھا۔ جس نے ان کی ممتا کو نئی زندگی دی تھی چنانچہ عریشہ حیران تھی کہ اس جہاں میں محبت کا یہ انداز بھی ہوتا ہے۔

نگین کا دل نہیں مانتا تھا کہ جو کچھ ماں بتا کر گئی ہیں، اس میں ذرہ برابر بھی سچ ہوگا لیکن فطرت مجبور کرتی تھی کہ ماں کی اطلاع کا جائزہ لے اور ان دنوں وہ نادرہ پر گہری نظر رکھ رہی تھی۔ نادرہ گھر کی ملازمہ تھی۔ بیشک وہ خاص طور سے بیگم ہمایوں شمسی کی خدمت پر مامور تھی لیکن گھر کے دوسرے معاملات میں بھی حصہ لیتی تھی۔ اس دن اس نے نادرہ کو شمیل کے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھا اور وہ ایک دم مستعد ہو گئی۔ اس نے ایک ایسی جگہ منتخب کی جہاں سے وہ کمرے کے اندر کا جائزہ لے سکے۔

نادرہ نے شمیل کے بستر کی شکنیں درست کیں، اس کی بکھری ہوئی چیزیں ٹھیک کیں۔ شمیل اس وقت باتھ روم میں تھا۔ نادرہ نے چور نظروں سے باتھ روم کے دروازے کی طرف دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے شمیل باتھ روم سے نکلنے والا ہو، وہ تیزی سے باتھ روم کے دروازے کے پاس پہنچ گئی۔ جونہی شمیل نے باتھ روم کے دروازے سے باہر قدم رکھا، نادرہ اس سے لپٹ گئی اور شمیل بری طرح چونک پڑا۔

''ارے...... ارے! کیا ہوا نادرہ!'' اس نے حیرانی سے کہا۔

''اوہ آپ ٹھیک ہیں؟'' نادرہ بھنچی بھنچی آواز میں بولی۔

''ہاں! خیریت کیا ہوا؟'' شمیل نے ہنس کر کہا۔

''مجھے یوں لگا جیسے آپ گرنے والے ہوں، مجھے یوں لگا جیسے......!'' نادرہ ہانپتی ہوئی بولی۔

''کمال ہے، اچھا! پیچھے ہٹو، تمہارے کپڑے بھیگ جائیں گے۔'' شمیل نے کہا اور نادرہ اسے پکڑے ہوئے بستر کی طرف بڑھی۔

''بیٹھ جائیے، میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔'' بیڈ فاصلے پر نہیں تھا۔ وہ خود بھی شمیل کے ساتھ بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ گہرا سرخ ہو رہا تھا۔

''ہاں بولو!'' شمیل نے سادگی سے کہا۔ نادرہ گھر کے ایک فرد جیسی تھی۔ شمیل کو ماں جیسی فطرت ملی تھی۔ ہر ایک سے محبت اور نرمی سے پیش آنا، اس کا بھی وتیرہ تھا۔

''میں آپ کی ایک ادنیٰ خادمہ ہوں شمیل صاحب! اور تازندگی خادمہ ہی رہنا چاہتی ہوں۔ میرے دل میں اور کوئی خواہش نہیں ہے سوائے اس کے کہ میں ہمیشہ آپ کے قدموں میں رہوں۔ بدنصیب دل کبھی حالات پر غور نہیں کرتا بس بے اختیار ہو جاتا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کی اور نگین صاحبہ کی شادی طے ہو گئی ہے۔ میں بھی اتنی ہی خوش ہوں جتنی گھر کی

نوکرانیاں ہوسکتی ہیں۔ بس میں چاہتی ہوں کہ آپ کبھی مجھے اپنے قدموں سے جدا نہ کریں۔“

”تم خادمہ ہو نہ نوکرانی! اس گھر کی ایک فرد ہو اور سنو رشتے صرف وہ نہیں ہوتے جو ایک عورت اور ایک مرد کے درمیان ہوں۔ رشتے بہن، بھائی کے بھی ہوتے ہیں، تم مجھے بھائی بھی کہہ سکتی ہو۔“ یہ کہہ کر شمیل نے نادرہ کا سر اپنے سینے سے لگالیا۔

بس اتنا کافی تھا۔ نگین جہاں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی، وہاں سے وہ صرف انہیں دیکھ سکتی تھی، ان کی آوازیں نہیں سن سکتی تھی، چنانچہ اس نے جو کچھ دیکھا، اس نے نگین کو پھونک کر رکھ دیا۔ آہ...... اتنا بڑا دھوکا! شمیل اتنا گہرا انسان ہے۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے وہاں سے لوٹ آئی۔

زمین گھوم رہی تھی، آسمان سر پر آرہا تھا۔ سب کچھ تلپٹ ہوگیا تھا۔ یہ کیا ہوا۔ ایسا بھی ہوجاتا ہے، مان اس طرح ٹوٹ جاتا ہے۔ شمیل کو تو اس نے ایک کانچ کے کھلونے کی طرح دیکھا تھا۔ نازک سا، کومل سا جسے بڑی احتیاط سے چھوا جائے کہ کہیں ٹوٹ نہ جائے لیکن وہ تو فولاد سے بھی سخت نکلا۔ جس کی ایک ضرب احساس کے تاج محل ریزہ ریزہ کردے۔

اب کیا کروں، امی کو کس طرح جھڑک دیا تھا۔ وہ بھی پریشان تھیں صرف میرے لئے حالانکہ شمیل کے سلسلے میں وہ بھی دھوکا کھا گئی تھیں۔ سب دھوکا کھا گئے تھے، خاور بھائی بھی......! انہوں نے کہا تھا کہ شمیل میرا آئیڈیل ہے، ان کا تجربہ بھی غلط تھا۔

عقل سے کام لینا ہوگا۔ پہلے یہاں سے چلا جائے۔ اپنا گھر تو چھوڑ ہی دیا تھا۔ یہاں اتنے دن نہیں رکنا چاہئے تھا کل ہی یہاں سے چلی جاؤں گی پھر کچھ سوچوں گی بلکہ بھائی جان! انہیں سب کچھ بتا کر ان سے مشورہ مانگوں گی۔

شدید کرب کا شکار تھی۔ اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھا تھا۔ کسی شک کی گنجائش نہیں تھی۔ نہ جانے کیسے دن گزرا، نہ جانے کیسے رات ہوئی۔ اس نے کسی کو احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

اسے اپنی پسند کی یہ حویلی بھوت محل لگ رہی تھی۔ در و دیوار سے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ بستر عجیب لگ رہا تھا۔ دریچے سے باہر کی ہلکی روشنی کمرے میں جھلک رہی تھی۔

پورے دن شدید کرب کا شکار رہی تھی۔ آنکھیں بوجھل ہوئیں، پھر نیند آگئی۔ پتا نہیں کتنی دیر سوئی تھی کہ نیم خوابی کی کیفیت میں اسے سردی کا احساس ہوا۔ ہوا کے سرد جھونکے اسے چھو رہے تھے۔ اس نے کمبل بدن کے گرد لپیٹ لیا۔

اچانک کسی آہٹ سے وہ چونک پڑی۔ نیند ذہن پر مسلط تھی لیکن ایک انجانا سا خوف دل کو مٹھی میں لے رہا تھا۔ وہ خوف سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔ دل زور زور سے اچھل رہا تھا اور نیند آنکھوں سے غائب ہوگئی تھی۔ اس کے کان آہٹیں لے رہے تھے۔ اسے رگوں میں خون جمتا محسوس ہو رہا تھا۔ دہشت سے سانس رکنے لگی تھی۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کمرے میں وہ تنہا نہیں ہے۔

پھر اسے اپنے بالکل قریب آہٹ سنائی دی اور اس کے حلق سے چیخ نکل گئی لیکن یہ چیخ کسی کے ہاتھ کے آہنی پنجے میں دب گئی۔ کسی نے اس کے منہ پر بے حد چوڑا کھردرا آہنی پنجہ رکھ دیا تھا، ساتھ ہی اس کی ناک بھی بند کردی گئی تھی۔ ایک تیز شدید بو اس کے دماغ میں چڑھ گئی۔ اس نے دو تین بار ہاتھ، پاؤں مارے پھر ساکت ہوگئی۔

☆......☆......☆

ساجدہ ڈاکٹر نہیں تھی۔ بہت پہلے وہ ایک اسپتال میں نرس رہ چکی تھی۔ بے حد چالاک اور خطرناک عورت تھی۔ اس کا ماضی نہ جانے کیا تھا لیکن حال بڑا مجرمانہ تھا۔ سارے غلط کام کرتی تھی، خطرناک لوگوں سے اس کا رابطہ تھا اور وہ دھڑلے سے خود کو ڈاکٹر کہتی تھی۔

عریشہ اس کے پاس کافی دن سے تھی۔ اس خوبصورت نرس سے اس نے ابھی تک کوئی کام نہیں لیا تھا۔ اس نے اسے کسی بڑے کام کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ اسے علم تھا کہ طاہر بھی عریشہ کے چکر میں ہے۔ یہ بھی پتا تھا کہ طاہر کافی دولت مند آدمی ہے، اس سے بڑی رقم گھسیٹی جاسکتی ہے لیکن عریشہ اچانک اس کے ہاتھ سے نکل گئی تھی اور وہ تلملا کر رہ گئی تھی۔

نگین کے بارے میں طاہر سے سب کچھ پتا چل گیا تھا۔ اس حویلی کے بارے میں بھی جہاں عریشہ کو لے جایا گیا تھا چنانچہ اس نے اپنے ایک خاص آدمی کو جو ٹائیگر کے نام سے مشہور تھا اور جرائم پیشہ تھا، عریشہ کے حویلی سے اغوا کے لئے تیار کیا اور اسے حویلی کے بارے میں مختصر تفصیل بتادی۔

ٹائیگر نے حویلی کی ریکی کی، اس میں داخلے اور باہر آنے کے مطلوبہ راستے منتخب کئے اور پھر کام کر ڈالا لیکن اس سے تھوڑی سی غلطی ہوگئی۔ وہ عریشہ کی خواب گاہ کے بارے میں صحیح طور سے معلوم نہیں کرسکا اور عریشہ کے بجائے نگین کو اٹھا لایا لیکن اپنی اس غلطی کا اسے کوئی اندازہ نہیں تھا۔ اس نے کلوروفارم سے نگین کو بے ہوش کیا تھا اور پھر لمبا سفر کر کے اسے اپنے خفیہ گھر پہنچا دیا تھا جہاں ایک ادھیڑ عمر ملازمہ زرینہ گھر کی دیکھ بھال کے لئے رہتی تھی۔

ٹائیگر کے ایک دو آدمی بھی وہاں ہوتے تھے۔ اغوا کا یہ کام اس نے خود کیا تھا اور نگین کو یہاں پہنچا کر اس نے زرینہ کو اس کی نگرانی کی ہدایت کردی تھی اور خود اپنے دوسرے

ٹھکانے پر چلا گیا تھا۔

دوسرے دن دس بجے اس نے ساجدہ کو فون کیا۔ ''ٹائیگر بول رہا ہوں۔''

''ہاں ٹائیگر! بولو۔''

''کام ہو گیا ہے میڈم!''

''کہاں ہے؟''

''تین نمبر میں...... آپ وہاں اس سے مل لو۔''

''ویری گڈ! زرینہ کو بتا دو میں اس سے ملنے آؤں گی۔ ابھی کچھ دن اسے وہیں رکھنا اور ہاں شام پانچ بجے آ کر پے منٹ لے جانا۔''

''او کے میڈم!''

ساجدہ کے جبڑے بھنچ گئے تھے۔ اس کے منہ سے ہڈی چھیننا آسان کام نہیں تھا۔ اسے عریشہ پر شدید غصہ تھا۔ اسے کسی قیمت پر نگین کے ساتھ نہیں جانا چاہیے تھا۔ اب دیکھتی ہوں کس طرح میرے چنگل سے نکلتی ہے۔

ساجدہ، ٹائیگر کے ڈیرے پر جانے کی تیاریاں کرنے لگی، معاً اسے طاہر کا خیال آیا۔ عریشہ کو جس طرح ساجدہ کے نجی کلینک سے لے جایا گیا تھا، اس سے ساجدہ کو بڑی توہین کا احساس ہوا تھا۔ طاہر نے اسے پوری تفصیل بتائی تھی۔ کیوں نہ طاہر کو بھی ساتھ لے لیا جائے، بھروسے کا بندہ تھا۔ ساجدہ کی حیثیت کا بھی اسے اندازہ ہو جائے گا بلکہ وہ طاہر سے عریشہ کا سودا بھی کر لے گی۔ اس نے فون پر طاہر سے رابطہ کیا۔

''میں تمہیں سرپرائز دینا چاہتی ہوں۔''

''خیریت......؟''

''ہاں! بالکل خیریت ہے، میرے پاس کلینک آ سکتے ہو؟''

''آ جاتا ہوں، کچھ بتاؤ تو!'' طاہر نے کہا۔

''نہیں! مزا جاتا رہے گا۔ جو کچھ میں تمہیں دکھاؤں گی، اسے دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے۔''

''او کے آ رہا ہوں۔'' طاہر نے کہا۔

☆......☆......☆

شہر کے مضافاتی علاقے میں ایک میدان کے سامنے بہت وسیع احاطہ تھا۔ اس کے درمیان ایک چوکور بنگلہ نما عمارت بنی ہوئی تھی۔ احاطے کی دیواریں کافی بلند تھیں۔ اس کے اندر اونچے اونچے قدیم درخت نظر آتے تھے۔ قرب و جوار کے اکا دکا مکانات اس احاطے سے کافی دور تھے۔ باہر سے دیکھنے پر یہ مکان بالکل ویران لگتا تھا۔

مین سڑک سے اس کا کافی فاصلہ تھا۔ مکان کی کھڑکیوں اور دروازوں پر موٹے پردے پڑے ہوئے تھے، ہر کھڑکی میں لوہے کی مضبوط سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ داخلے کا پھاٹک پرانے طرز کا بے حد مضبوط تھا۔

ساجدہ کی کار اسی پھاٹک کے سامنے رکی تھی۔ ایک آدمی نے جھانک کر کار کو دیکھا اور جلدی سے پھاٹک کھول دیا۔ ساجدہ کار اندر لیتی چلی گئی۔ وہ خود ڈرائیونگ کر کے یہاں تک آئی تھی۔ کار کو مناسب جگہ کھڑی کر کے وہ طاہر کے ساتھ نیچے اتر آئی۔

''بڑی پراسرار جگہ ہے۔'' طاہر نے متاثرہ لہجے میں کہا۔

ساجدہ نے کوئی جواب نہیں دیا اور آگے بڑھ گئی۔ یہ ٹائیگر کا ڈیرہ تھا اور ٹائیگر نے یہاں موجود لوگوں کو ساجدہ کے آنے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ بڑے دروازے کے دوسری طرف زرینہ آتی ہوئی نظر آئی۔

''سلام بیگم جی!'' زرینہ نے کہا۔

''کہاں ہے؟'' ساجدہ نے اس کے سلام کا جواب نہیں دیا تھا۔

''آ یئے!'' زرینہ نے کہا اور ان کی رہنمائی کرنے لگی، پھر اس نے ایک کمرے کے سامنے رک کر اس کا تالا کھولا اور راستے سے ہٹ گئی۔

ساجدہ، طاہر کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہوگئی۔ کمرے کی تمام کھڑکیاں بند تھیں، کہیں سے روشنی نہیں آ رہی تھی، اس لئے اندر کا ماحول تاریک تھا۔ طاہر کو اندر کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اتنی دیر میں ساجدہ نے لائٹ جلادی، تب طاہر نے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا، جس کے بال بکھرے ہوئے تھے، چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔ وہ نگین تھی۔

''تمہارے لئے ایک حسین تحفہ طاہر!'' ساجدہ نے فخریہ کہا، لیکن پھر ایک دم اچھل پڑی۔ ''ارے...... یہ...... یہ...... یہ...... تو!'' دوسری طرف طاہر بھی ہکابکا رہ گیا تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھ کر نگین کے قریب پہنچ گیا۔

''نگین! تم...... اوہ میرے خدا......! ساجدہ کتیا! یہ تو نگین کو کیوں لے آئی؟''

ساجدہ کا چہرہ بگڑ گیا۔ ''کیا کہا تم نے کتیا! تم نے مجھے کتیا کہا ہے؟''

''یہ کیا کیا ہے تم نے!'' طاہر نے خود کو سنبھال لیا۔

''تم نے مجھے کتیا کہا ہے طاہر!'' ساجدہ پھنکاری۔

''مگر یہ تم...... تم! نگین کو کیوں لے آئیں؟''

''یہ کیس بھی میرا ہے، اس لڑکی نے مجھے میرے کلینک میں دھمکی دی تھی، اپنے باڈی گارڈ کو بلالیا تھا اور میری نرس کو زبردستی لے گئی تھی۔ اس سے بھی مجھے نمٹنا تھا لیکن یہ کام ذرا جلدی ہوگیا۔ میں نے ٹائیگر سے عریشہ کو اٹھا کرلانے کے لئے کہا تھا، اس سے غلطی ہوگئی اور وہ اسے اٹھا لایا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ آج تمہاری حسرت بھی پوری کردوں گی۔''

''ب...... بکواس مت کرو، خاموش ہوجاؤ، نگین میری...... پلیز ساجدہ...... نگین! سوری بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' طاہر بری طرح بوکھلا گیا تھا۔

''میں بکواس کر رہی ہوں، ٹھیک ہے، آؤ چلو، ٹائیگر نے بے شک غلطی کی ہے لیکن مجھے اس سے بھی نمٹنا تھا۔ آؤ باہر چلو...... ہم باہر چل کر بات کریں گے۔'' ساجدہ شدید غصے میں آ گئی۔

طاہر کا برا حال تھا، اس کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ اس کو گمان بھی نہیں تھا کہ ایسا ہوجائے گا۔ نگین کے سامنے اس کی پوزیشن انتہائی خراب ہوگئی تھی۔ اب صورتحال سنبھالے نہیں سنبھلے گی۔ دوسری طرف نگین گنگ تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ ساجدہ باہر جانے والے دروازے کی طرف مڑ گئی اور طاہر اس کے پیچھے لپکا۔ ساجدہ نے باہر نکل کر دروازہ بند کردیا تھا۔

اس کی آنکھیں آگ برسا رہی تھیں۔ باہر نکل کر اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''سنو طاہر! میں نے بدترین زندگی گزاری ہے، اتنی ٹھوکریں کھائی ہیں کہ میرا وجود لہولہو ہوگیا ہے، اتنی ذلت اٹھائی ہے کہ اس کے بعد ذلت کی حد ختم ہوجائے۔ تین بار میں نے خودکشی کی کوشش کی لیکن بچ گئی، تب اچانک میں نے سوچا کہ میں ہر بار کیوں بچ جاتی ہوں، اس کا مطلب ہے کہ تقدیر مجھے زندہ رکھنا چاہتی ہے۔ میں زندہ ہوگئی۔ میں نے غور کیا کہ زندہ رہنے کا صحیح طریقہ کیا ہے اور میں یہ بن گئی۔ تم مجھے پوری طرح نہیں جانتے، میں نے ہمیشہ تمہاری عزت کی ہے لیکن تم نے کتیا کہہ کر میری سخت توہین کی ہے۔ ہماری دوستی تو آج سے ختم، دشمنی کے بارے میں سوچوں گی کہ کہاں سے آغاز کیا جائے۔''

طاہر کے چہرے سے شدید پریشانی جھلک رہی تھی۔ اس نے بے بسی سے ساجدہ کو دیکھا اور گہری سانس لے کر بولا۔ ''نہیں ساجدہ! مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے، میں بے اختیار ہوگیا تھا، میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔ اصل میں نگین میرا مستقبل ہے، میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے مجھے اس طرح دیکھ لیا، اب اس کا دل میری طرف سے کبھی صاف نہیں ہوگا۔''

''اور میرا دل بھی!'' ساجدہ نے بدستور سرد لہجے میں کہا۔

''تم جس طرح کہو، میں تم سے سوری کرلوں۔''

''ہاں! اس پر غور کیا جاسکتا ہے۔ چلو کلینک چل کر بات کریں گے۔'' ساجدہ نے کہا۔

''ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔''

''بولو......!''

''نگین کو ساتھ لے چلو، میں بہت پریشان ہوں۔''

''کتنی بچکانہ بات کی ہے تم نے طاہر! وہ جانتی ہے کہ اسے اغوا کرنے والی میں ہوں، اسے میرے بارے میں سب علم ہے اور وہ تم سے بھی متنفر ہے۔ ایسی صورت میں آزاد ہوکر وہ کیا کرے گی، تم جانتے ہو اور میں بھی جانتی ہوں۔''

''کچھ نہیں کرے گی، بالکل کچھ نہیں کرے گی۔ یہ ذمہ داری تم مجھ پر چھوڑ دو۔'' طاہر نے عاجزی سے کہا۔

"جب سے میں نے دنیا کے بارے میں اپنا آئین بنایا ہے، اس کی پہلی شق یہ ہے کہ کسی جاندار پر اعتبار نہ کرو۔ صرف وہ کرو جو تمہارا دماغ فیصلہ کرے۔ آؤ بے وقوفی کی باتیں مت کرو آؤ!" باہر نکل کر اس نے زرینہ کو اس بارے میں ہدایات دیں اور اپنی گاڑی کی طرف چل پڑی۔ طاہر کا ذہنی توازن خراب ہو رہا تھا۔ ایک بار تو اس کا دل چاہا کہ پاس بیٹھی ساجدہ پر حملہ کر کے اس کی گردن دبا دے اور نگین کو وہاں سے نکال لائے لیکن......!

وہ کلینک پہنچ گئے۔ ساجدہ نے اسے سامنے بٹھا کر کہا۔ "جی طاہر صاحب! سب سے پہلے میں آپ کو یہ بتا دوں کہ اب تک نگین کو ٹائیگر کے ڈیرے سے ہٹا کر کہیں اور پہنچا دیا گیا ہوگا اور آپ یہاں سے جانے کے بعد پولیس کے ساتھ وہاں جائیں گے تو آپ کو وہاں خاک اڑتی ملے گی۔"

"کک...... کیا مطلب......؟" طاہر کپکپاتی آواز میں بولا۔

"میں زرینہ کو ہدایات دے کر آئی تھی۔ دشمن سے محتاط رہنا ہی زندگی کی ضمانت ہوتی ہے۔"

"میں دشمن تو نہیں ہوں ساجدہ!" طاہر نے بے بسی سے کہا۔

"نگین کی رہائی چاہتے ہیں آپ!"

"ہاں! عریشہ کو بہلا پھسلا کر میں خود تمہارے پاس لے آؤں گا۔"

"وہ بعد کی بات ہے، پہلے آپ نگین کی بات کریں۔"

"یقین کرو، آج کل میں سخت پریشان ہوں۔"

"دنیا کے رنگ عجیب ہو گئے ہیں۔ ہر مشکل کا حل پیسہ...... صرف پیسہ!"

"ہاں! یہ تو ہے لیکن......!"

"دس لاکھ...... صرف دس لاکھ!" ساجدہ نے کہا۔

"کیا مطلب......؟"

"صرف دس لاکھ ادا کر دیجئے، نگین کو لے جایئے، اس کے سوا کچھ نہیں۔" ساجدہ نے بے رحمی سے کہا۔

"آپ کو پتا نہیں ہے ساجدہ! اب......!"

"کچھ مہمان کلینک آنے والے ہیں۔ گھر آئے مہمان کو باہر نہیں نکالا جا سکتا، امید ہے آپ خود چلے جائیں گے۔" ساجدہ کھڑی ہو گئی۔

☆......☆......☆

حویلی کی وسعتوں میں کہیں اس کا وجود نہیں ملا۔ بستر شکن آلود، جوتیاں جوں کی توں...... اس کے علاوہ اور کچھ سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا کہ نگین کو اغوا کیا گیا ہے، اسے اٹھا کر لے جایا گیا ہے۔

پوری حویلی میں کہرام مچ گیا، سب کی عقل خبط ہو گئی تھی۔ انتہائی بدحواسی میں بیگم جلال کو فون کیا گیا۔ زاہدہ بیگم نے لرزتی آواز میں کہا۔ "بہن! کیا نگین آپ کے پاس آئی ہے؟"

"جی......؟" بیگم جلال نے حیرانی سے کہا۔

"نگین یہاں حویلی میں نہیں ہے، وہ اپنے کمرے سے غائب ہے، اس کا سامان، جوتیاں بھی جوں کی توں پڑی ہیں۔"

فون گرنے کی آواز سنائی دی اور زاہدہ بیگم "ہیلو ہیلو" کرتی رہ گئیں۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بیگم جلال، خاور کے ساتھ آ گئیں۔ انہوں نے وہ چیخم دھاڑ مچائی کہ رہے نام اللہ کا......! شمیل گم صم تھا۔ سب کی حالت خراب تھی۔ ایک ایک فرد سے تحقیقات ہو رہی تھی۔

کسی نے کہا۔ "فوراً پولیس کو خبر کی جائے۔"

"دماغ خراب ہوا ہے، سارے خاندان میں تھو تھو ہو جائے گی۔ لوگ پوچھیں گے کہ شادی سے پہلے بہن اور بیٹی کو ہونے والے سسرال میں کیوں پہنچا دیا گیا تھا۔" بیگم جلال نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"پھر بتائیں کیا کریں؟"

"ان سے پوچھو۔" بیگم جلال نے شدید طنزیہ لہجے میں زاہدہ بیگم کی طرف اشارہ کیا اور زاہدہ بیگم دھک سے رہ گئیں۔

"ارے امی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں، آنٹی بے چاری کیا بتائیں گی۔" خاور جلدی سے بولا۔

"غلطی ہوگئی خاور! تم سے بھی اور مجھ سے بھی...... فرشتہ کہتے ہو نا تم ان ذات شریف کو، سانپ پالا تھا تم نے آستین میں! ہائے کیا سمجھا تھا میں نے، کیا نکلا!" اس بار بیگم جلال کا اشارہ شمیل کی طرف تھا۔

"آپ کا ذہنی توازن خراب ہو رہا ہے شاید آپ نے اپنی مرضی سے اپنی بیٹی کو یہاں چھوڑا تھا اور اب آپ نہ جانے کیا کیا کہہ رہی ہیں۔" خاور نے درشت لہجے میں ماں سے کہا۔

"سر پھٹ رہا ہے میرا، کوئی بڑی سازش ہوئی ہے میری بچی کے خلاف، کئی دن سے برداشت کر رہی ہوں۔ پوچھو ذرا اس خوبصورت ناگن سے پوچھو کیا کھیل چل رہا ہے اس کا شمیل کے ساتھ، پوچھو اس سے!" بیگم جلال نے نادرہ کی طرف اشارہ کیا۔

"او مائی گاڈ...... او مائی گاڈ! آیئے آپ گھر چلیئے۔" خاور نے بیگم جلال کا بازو پکڑ کر کہا، پھر وہ انہیں تقریباً کھینچتا ہوا باہر لے گیا۔ جاتے ہوئے اس نے کہا۔ "میں امی کو گھر چھوڑ کر واپس آتا ہوں۔"

"میری بچی ملنی چاہئے زاہدہ بیگم! ورنہ اینٹ سے اینٹ بجادوں گی، ایک ایک کو سوادوں گی، جیل میں سڑادوں گی ہاں!" بیگم جلال چیختی ہوئی باہر نکلی تھیں۔ کار میں بیٹھ کر انہوں نے رونا شروع کر دیا۔

"ان کا کیا قصور ہے امی! آپ فکر مند نہ ہوں، نگین مل جائے گی۔" خاور نے کہا۔

"میں بتاؤں کیا قصور ہے؟" بیگم جلال نے کہا اور پھر انہوں نے جمیلہ کی کہانی سنادی اور نگین کے بارے میں بھی بتایا کہ انہوں نے نگین کو تفصیل بتائی تو اس نے کیا ری ایکشن دیا، خاور کی پیشانی شکن آلود ہوگئی تھی۔

"ممکن ہے امی! نگین خود ہی دل برداشتہ ہو کر کہیں چلی گئی ہو، لیکن نہیں! ایسی حالت میں اسے گھر آجانا چاہئے تھا۔" خاور کچھ دیر خاموش رہا، پھر اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔

"جمیلہ......!" پھر وہ راستے بھر سوچتا رہا تھا۔

گھر پہنچنے کے بعد اس نے بیگم جلال سے کہا۔ "آپ بالکل خاموش رہیں، ابھی دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جائے گا۔" پھر اس نے ایک ملازمہ سے جمیلہ کو بلانے کے لئے کہا اور انتظار کرنے لگا۔ دروازے پر آہٹ ہوئی تو اس نے جلدی سے سیل کان سے لگالیا۔

"جی انسپکٹر صاحب! اس کا نام جمیلہ ہے۔ ہاں ہمارے ہاں کام کرتی ہے لیکن میں ابھی اس کی گرفتاری نہیں چاہتا۔ میں آپ کو بتادوں گا۔ نہیں...... جی ہاں! ٹھیک ہے اسے گرفتار کرنے کے بعد آپ جو سلوک چاہیں کر سکتے ہیں، الٹا لٹکا کر ماریں یا...... وہ آگئی ہے، میں اس سے پوچھتا ہوں۔ شکریہ!"

خاور نے سیل رکھ کر خونی نظروں سے جمیلہ کو دیکھا جس کا چہرہ یہ باتیں سن کر پیلا پڑ گیا تھا۔

"ادھر آؤ......!" خاور غرایا اور جمیلہ آگے آگئی۔ "نگین کو اغوا کر لیا گیا ہے اور لوگ اس سازش میں تمہیں شریک سمجھ رہے ہیں۔ پولیس تمہیں گرفتار کرنے آرہی ہے لیکن میں نے اسے روک دیا ہے۔ اگر تم مجھے پوری سچائی سے سب بتادو تو میں تمہیں پولیس سے بچالوں گا۔ تم نے امی کو نادرہ اور شمیل کے بارے میں جو بتایا تھا، وہ سچ تھا؟"

"نہیں صاب جی! وہ سب کچھ طاہر صاب نے مجھ سے کرایا تھا۔" جمیلہ نے زبان کھول دی اور بیگم جلال کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

☆......☆......☆

خاور نے ساری صورتحال سنبھال لی تھی۔ جمیلہ کے انکشاف کو اس نے اپنے اور بیگم جلال کے درمیان میں رکھا تھا۔ جمیلہ کو ایک کمرے میں بند کر دیا گیا تھا۔ خاور نے بہت کچھ سوچا تھا اور پھر اس نے طاہر کو فون کیا تھا۔

"طاہر! حویلی گئے؟"

"نہیں! خیریت......؟" طاہر نے انجان بن کر کہا۔

"نگین کو اغوا کر لیا گیا ہے۔"

"کیا...... کیسا......؟ کیسے......؟" طاہر کی چیختی آواز سنائی دی۔

''تم میرے پاس آ جاؤ۔'' خاور نے نڈھال سی آواز بنا کر کہا اور فون بند کر دیا۔

بیگم جلال کی بری حالت تھی۔ خاور نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''جمیلہ نے جو کچھ بتایا ہے امی! اس سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ نگین، طاہر کی تحویل میں ہے۔ اسے اغوا کر کے وہ کیا چاہتا ہے، یہ بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ نگین کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا اس لئے آپ حوصلے سے کام لیں۔''

کچھ دیر کے بعد طاہر آ گیا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے بدحواسی کے انداز میں نگین کے اغوا کی تفصیل پوچھی اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

''معافی چاہتا ہوں خاور بھائی! آخر ہم نے نگین کو وہاں کیوں چھوڑا ہوا تھا، پولیس میں رپورٹ کریں۔''

''نہیں...... اس سے میری بہن بدنام ہو جائے گی۔ بس کسی طرح یہ پتا چل جائے کہ اغوا کرنے والا کیا چاہتا ہے۔''

''چچی جان کی کیا کیفیت ہے؟''

''بری حالت ہے، نیند کی دوا دے کر سلا دیا ہے۔'' خاور نے کہا۔

''میں حویلی جا رہا ہوں، خدا کرے ہمیں نگین کی خیریت کی خبر مل جائے۔'' طاہر نے کہا۔

''مجھ سے رابطے میں رہنا۔'' خاور نے کہا۔

''آپ کیسی بات کر رہے ہیں، نگین کا اغوا......!'' طاہر کے منہ سے سسکی سی نکلی پھر وہ وہاں سے رخصت ہو کر حویلی چل پڑا۔ خاور کی نفرت بھری نظریں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

کچھ دیر وہ طاہر کے رویے پر غور کرتا رہا پھر سیل پر بیرسٹر احمد کمال کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہو جانے پر اس نے کہا۔ ''ماموں جی! میں خاور بول رہا ہوں، براہ کرم اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے فوراً آ جائیے۔''

''خیریت! کیا بات ہے؟''

''خیریت نہیں ہے، آپ آ جائیے۔'' خاور نے یہ کہہ کر سیل بند کر دیا۔

☆......☆......☆

طاہر کا دل چاہ رہا تھا سب کو گولی مار دے۔ زندگی کے کھیل میں وہ بری طرح ناکام رہا تھا۔ بہت تھوڑے دنوں کے لئے خوشیاں ملی تھیں پھر سب کچھ ختم ہو گیا تھا اور اب سب کچھ اس طرح الجھ گیا تھا کہ سلجھائے نہیں سلجھ رہا تھا۔ عریشہ کے بجائے نگین اغوا ہو گئی تھی اور نگین نے اسے ساجدہ کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ اسے پتا چل گیا تھا کہ اسے اغوا کرنے میں طاہر کا ہاتھ ہے۔ اب نگین کے اس سے رابطے کی کیا گنجائش ہے۔

پھر کیا کیا جائے۔ اس کے ذہن میں نادرہ آئی۔ پاگلوں کی طرح چاہتی تھی اسے تو پھر نادرہ پر ہی کیوں نہ انحصار کیا جائے، قابل اعتبار ہے۔ ہر کھیل میں ساتھ دیا ہے۔ نگین کسی نہ کسی طرح برآمد ہو جائے گی اور اس کے بعد کچھ باقی نہیں رہے گا بلکہ وہ ایک مجرم کی حیثیت سے سامنے آئے گا۔

حویلی تک پہنچتے پہنچتے اس نے کئی فیصلے کئے تھے۔ حویلی کی فضا سوگوار تھی، ماحول خاموش خاموش تھا۔ وہ زاہدہ شمسی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ شمیل سخت بخار میں تپ رہا تھا۔ وہ ویسے بھی نازک مزاج تھا۔ بڑی مشکل سے اس کی حالت بہتر ہوئی تھی۔ نگین کے اغوا نے اسے پھر نڈھال کر دیا تھا۔

''مجھے خاور بھائی سے تفصیل معلوم ہوگئی ہے، آپ لوگ فکر نہ کریں، بہت جلد کوئی حل نکل آئے گا۔'' اس نے سب کو تسلی دی۔ وہاں سے نکل کر وہ نادرہ کے پاس آیا۔ ''کیل کانٹے سے لیس رہو، بہت جلد ہم ملک سے باہر نکل جائیں گے۔''

''ملک سے باہر......؟'' نادرہ حیرت سے بولی۔

''ہاں! میں انتظام کر رہا ہوں بس اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا۔'' یہاں سے وہ سیدھا ساجدہ کے پاس پہنچا۔ ساجدہ اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ ''جی طاہر صاحب! کیا صورتحال ہے؟''

''تمہارے مطالبے کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں، امید ہے جلد ہی دس لاکھ کا بندوبست کر لوں گا لیکن ایک بات بتاؤ نگین نے تمہیں دیکھ لیا ہے، آزاد ہو کر وہ تمہاری نشاندہی کر دے گی؟''

''آپ کو روپوش ہونا پڑے گا طاہر صاحب! وہ بے چاری مجھے کیا جانے۔ نہ ہی وہ ٹائیگر کے ڈیرے کی نشاندہی کر سکے گی کیونکہ بے ہوشی کے عالم میں وہاں لے جائی گئی تھی اور بے ہوشی ہی کے عالم میں وہاں سے ہٹائی گئی ہے۔''

''اب وہ وہاں نہیں ہے؟''

''ایسی مزاحیہ باتیں نہ کریں، مجھے ہنسی آجائے گی۔'' ساجدہ نے کہا۔

☆……☆……☆

خاور نے طاہر کو فون کیا۔ ''فوراً میرے پاس آجاؤ۔''

''خیریت خاور بھائی……؟''

''ہاں! خیریت ہے، فوراً آجاؤ۔''

''میں آرہا ہوں۔'' طاہر نے کہا۔ پھر وہ آندھی طوفان کی طرح کار دوڑاتا ہوا خاور جلال کی کوٹھی پہنچا تھا۔ خاور کے چہرے پر سرخی نظر آرہی تھی۔

''اغوا کرنے والوں کا فون آگیا ہے۔''

''اوہ……! کب، کون ہے، کیا چاہتا ہے؟''

''پچاس لاکھ…… یہ اغوا برائے تاوان ہے۔'' خاور نے بتایا اور طاہر گہری گہری سانس لینے لگا۔ ''اصل میں، میں نے تو زیادہ وقت ملک سے باہر گزارا ہے۔ میں کچھ نہیں جانتا، تم میرے واحد مددگار ہو، تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔''

''دل و جان سے حاضر ہوں، بتائیے کیا کروں؟''

''اس نے کیش رقم مانگی ہے، کل دوپہر کو دو بجے یہ رقم اسے پہنچانی ہے۔''

''کہاں……؟''

''کل ایک بجے بتائے گا۔''

''اور رقم……!''

''وہ میں مہیا کردوں گا لیکن یہ رقم تم اسے پہنچاؤ گے…… میں کل گیارہ بجے وہ تمہارے سپرد کردوں گا۔''

''ہم پولیس سے رجوع کرتے ہیں، اتنی رقم……!'' طاہر نے کہا۔

''ہرگز نہیں! رقم اسے دے کر میری بہن کو حاصل کرلو۔ اس نے دھمکی دی ہے کہ اگر پولیس سے رجوع کیا گیا تو خدانخواستہ نگین کو قتل کردیا جائے گا۔ میں پچاس لاکھ اپنی بہن کے جوتوں پر قربان کرسکتا ہوں۔'' خاور نے جذباتی لہجے میں کہا۔

☆……☆……☆

طاہر کا دوسرا شکار زاہدہ بیگم اور شمیل تھے۔ وہ ان کے سامنے سر جھکائے بیٹھا تھا۔ زاہدہ بیگم نے کہا۔ ''ہماری عزت کا معاملہ ہے طاہر! نگین ہماری حویلی سے اغوا ہوئی ہے اور پھر وہ ہماری ہونے والی بہو ہے۔ ایک کروڑ کوئی حیثیت نہیں رکھتے بیٹے! تمہیں ہی سب کچھ کرنا ہوگا۔ شمیل تمہیں ایک کروڑ کا چیک دیئے دیتے ہیں، تم احتیاط سے یہ رقم اس بدبخت کو پہنچادو اور نگین کو اس سے حاصل کرلو۔''

''جو آپ کا حکم چچی جان!'' طاہر نے سوکھے منہ سے کہا۔

''شمیل……! چیک لکھ دو۔''

''جی امی!'' شمیل نے کہا۔

چیک لے کر طاہر باہر نکل آیا۔ اس نے خاور سے صرف پچاس لاکھ مانگے تھے تاکہ وہ زیادہ نہ سوچے لیکن زاہدہ بیگم اور شمیل معصوم فطرت تھے۔ اسے اندازہ تھا کہ وہ آسانی سے مان جائیں گے۔ اس طرح اس نے ڈیڑھ کروڑ کمائے تھے۔ اس کے پاس پورا پلان تھا۔ دس لاکھ ساجدہ کو دے کر وہ نگین کو حاصل کرلے گا اور پھر نادرہ کو لے کر دوسرے شہر نکل جائے گا، پھر وہاں کچھ عرصہ رہ کر ملک سے باہر……! تاوان وصول کرنے والے کی حیثیت سے اس نے خود ہی آواز بدل کر خاور کو فون کیا تھا۔ زاہدہ بیگم کے کمرے سے نکل کر اس نے نادرہ کو تلاش کیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ آج ہی یہاں سے نکل کر شہر میں اس کی رہائشگاہ پہنچ جائے۔

پھر اس نے ساجدہ سے رابطہ کیا۔ ''میں نے دس لاکھ کا بندوبست کرلیا ہے ساجدہ! کل دو بجے میں رقم لے کر تمہارے پاس آجاؤں گا لیکن تمہیں نگین کو اسی وقت میرے حوالے کرنا ہوگا۔''

’’میں بہت بری عورت ہوں طاہر صاحب! لیکن اپنے سارے برے کام پوری ایمانداری سے کرتی ہوں۔ دس لاکھ میرے حوالے کرنا اور میں نگین کا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں دے دوں گی لیکن خیال رہے بے ایمانی مجھے دیوانہ کر دیتی ہے۔‘‘

’’بے فکر رہو۔‘‘ طاہر نے کہا۔

دوسرے دن خاور نے پچاس لاکھ اس کے حوالے کر دیئے۔ ایک کروڑ کا چیک اس نے بینک سے کیش کرا لیا کیونکہ شمیل کے سارے اثاثوں کا نگراں وہی تھا۔ نقد رقم نادرہ کے حوالے کر کے وہ دس لاکھ بیگ میں رکھ کر ساجدہ کے کلینک چل پڑا، جہاں ساجدہ اس کی منتظر تھی۔ ساجدہ نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا۔

طاہر نے دس لاکھ روپے کا بیگ اس کے حوالے کر دیا جسے چیک کرنے کے بعد ساجدہ نے گردن ہلائی اور اپنی ملازمہ کو اشارہ کیا۔ ملازمہ دوسرے کمرے سے نگین کو لے آئی۔ ابھی طاہر کچھ بولنے بھی نہیں پایا تھا کہ ساجدہ کے سیل پر کال آئی اور ساجدہ نے سیل آن کر لیا۔

’’میڈم! پولیس کی آٹھ موبائلوں نے کلینک کو چاروں طرف سے گھیر لیا ہے، ہم اس وقت آپ کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔‘‘ ساجدہ کا چہرہ انگارے کی طرح سرخ ہو گیا۔

’’سنو...... سنو ٹائیگر!‘‘ اس نے کہا لیکن دوسری طرف سے فون بند ہو گیا۔ ساجدہ نے خونی نظروں سے طاہر کو دیکھا۔ ’’میں نے کہا تھا کہ میں بری عورت ہوں لیکن سارے برے کام ایمانداری سے کرتی ہوں اور بے ایمانی کرنے والے کو......؟‘‘

اچانک اس نے پستول نکال لیا۔ اس سے پہلے کہ طاہر کے منہ سے کوئی آواز نکلتی، ساجدہ کے پستول سے نکلی گولی اس کی پیشانی میں داخل ہو گئی۔ دوسری گولی دل کے مقام پر......! تیسری گولی بھی چلی تھی لیکن وہ پولیس نے چلائی تھی اور ساجدہ کی پیشانی کے چیتھڑے اڑ گئے تھے۔ پولیس کو بیرسٹر کمال لائے تھے۔

نگین اپنے گھر پہنچ گئی۔ اس کی شادی شمیل سے ہو گئی۔ خاور کے بھی دن پھر گئے کیونکہ مسز جلال بھی سب کے سمجھانے سے خاور کی شادی عریشہ سے کرنے پر راضی ہو ہی گئیں، البتہ نادرہ ایک مینٹل ہاسپٹل میں جی رہی ہے اور دن رات طاہر کی واپسی کا انتظار کرتی ہے۔

(ختم شد)